خوفِ خُدا

مصنف: ہارون یحییٰ

خوفِ خدا

"اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔"

(سورۃ الحشر۔ آیت: ۱۸)

مصنف

ہارون یحییٰ

مترجم

کامران امجد خان

خزینۂ علم و ادب

الکریم مارکیٹ اردو بازار - لاہور ۷۲۱۴۱۶۹

فہرست مضامین

قارئین کے نام

اس کتاب میں خوف الٰہی کے حوالے سے مندرجات کے علاوہ ایک خاص باب نظریۂ ارتقاء کے خاتمے اور اس کی فریب کاریوں کے بارے میں حقائق کیلئے مختص کیا گیا ہے' کیونکہ یہ نظریہ حقیقتاً تمام لادین نظریات کی بنیاد ہے۔ چونکہ نظریۂ ارتقاء یا ڈاروزنم انسان اور اس کائنات کی تخلیق کے عقیدہ کو مسترد کرتا ہے...... اور یوں اللہ کے وجود سے انکار کرتا ہے...... اس کی وجہ سے بے شمار لوگوں نے گذشتہ 140 برسوں کے دوران اپنے دین کو چھوڑ دیا یا اس کے بارے میں شک وشبہ کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ ہر شخص کو یہ بتایا جانا انتہائی ضروری اور بے حد اہم فریضہ ہے کہ ڈاروزنم ایک دھوکہ، فریب اور سراسر جھوٹ ہے۔ چونکہ اس بات کا امکان ہے کہ اکثر قارئین کو ہماری صرف ایک ہی کتاب پڑھنے کا موقع ملا ہو، اس لیے ہمارا خیال ہے کہ اس موضوع پر بھی ایک باب مختص کرنا مناسب ہے۔

مصنف کی تمام کتب دین سے متعلقہ اُمور کی قرآنی آیات کی روشنی میں وضاحت کرتی اور قارئین کو اللہ کے احکامات کو جاننے اور اُن پر عمل کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اللہ کے احکامات سے متعلق تمام موضوعات کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں کوئی ابہام یا سوال باقی نہ رہے۔ کتاب کا مخلصانہ، آسان اور سادہ انداز ہر عمر اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے قارئین کیلئے قابل فہم ہے۔ کتاب کے مندرجات اس قدر خوبصورتی سے ترتیب دیئے گئے ہیں کہ قاری اسے ایک ہی نشست میں مکمل کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو کہ روحانیت کی مخالفت کرتے ہیں اس کتاب کے حقائق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور کوئی بھی شخص اس کتاب میں درج مندرجات کی سچائی کو جھٹلا نہیں

سکتا۔

مصنف کی یہ یا کوئی بھی کتاب موضوع کی مناسبت سے انفرادی طور پر بھی پڑھی جاسکتی ہیں اور اُن سے گروپ کی صورت میں بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ پڑھنے والے کتاب سے فائدہ حاصل کرنے کے جذبہ کو سامنے رکھتے ہوئے موضوع کی مناسبت سے اپنے تجربات اور علم کا تبادلہ کر کے بحث کو بے حد فائدہ مند پائیں گے۔

مزید براں ان کتابوں کو پڑھنا اور ان کی اشاعت میں کردار ادا کرنا اسلام کی بہت اہم خدمت ہے۔ چونکہ مصنف کی تمام کتب صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے تحریر کردہ ہیں اس لیے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ چنانچہ لوگوں کو مذہب کی اصل رُوح سے روشناس کرانے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُنہیں ان کتابوں کو پڑھنے پر مائل کیا جائے۔

ان کتابوں میں دیگر کتابوں کے برعکس آپ کو مصنف کے ذاتی خیالات' مشکوک حقائق پر مبنی وضاحتیں' غیر مہذب انداز اور مفقود شدہ موضوعات کے حوالے ملیں گے اور نہ ہی نا اُمیدی اور غیر یقینی کے ایسے جملے جو ذہنوں میں شکوک اور دلوں میں شبہات پیدا کرتے ہیں!

کامران امجد خان

کچھ مصنف کے بارے میں

اس کتاب کے فاضل مصنف "ہارون یحیٰی" کے قلمی نام سے لکھتے ہیں۔ وہ انقرہ، ترکی میں 1956ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انقرہ سے حاصل کرنے کے بعد اُنہوں نے ممارسنان یونیورسٹی سے فنون اور استنبول یونیورسٹی سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ 1980ء سے اب تک وہ سیاسی، مذہبی اور سیاسی موضوعات پر متعدد کتابیں تحریر کر چکے ہیں۔ ہارون یحیٰی ایک ایسے مصنف کے طور پر جانے جاتے ہیں جنہوں نے ارتقا پرستوں کی فریب کاری اور بلند بانگ دعوؤں کا پول کھول دیا اور ڈاروِنزم اور دیگر خطرناک نظریات کے درمیان خفیہ تعلق کو بے نقاب کیا۔

مصنف نے اپنا قلمی نام دو عظیم المرتبت انبیائے کرام ...... ہارون علیہ السلام (Aaron) اور یحیٰی علیہ السلام (John) کے ناموں سے اخذ کیا ہے، جنہوں نے باطل و الحاد کے خلاف تاریخی جدوجہد کی۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی مہر مبارک مصنف کی تمام کتابوں کے سرورق پر موجود ہے جو دراصل ان کتابوں کے مواد سے علامتی تعلق وظاہر کرتی ہے۔ یہ مہر مبارک قرآن کے اللہ کی کتاب ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے آخری رسول ہونے کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ قرآن اور سنت کی روشنی میں فاضل مصنف نے اپنا خاص مقصد ملحدانہ فلسفوں کو باطل ثابت کرنا اور اُن پر "آخری حرف" بیان کرنا بنایا، تاکہ مذہبی عقائد کے خلاف تمام اعتراضات کا سدباب کیا جائے۔ مہر مبارک کو، جو نہایت اعلیٰ دانائی اور کردار کی عظمت کی نشانی ہے، اس حرفِ آخر کے بیان کے لیے بطور علامت استعمال کیا گیا ہے۔

ہارون یحیٰی کے تمام کام کا مقصد و محور ایک ہے: کہ قرآن مجید کے پیغام کو لوگوں

تک پہنچایا جائے، تا کہ ایمان سے تعلق رکھنے والے بنیادی موضوعات کے بارے میں غور و فکر کرنے کی طرف لوگوں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ مثال کے طور پر اللہ کا وجود، اس کی وحدانیت، حیات بعد از موت کا تذکرہ اور ملحد نظاموں کے دیمک زدہ اور غیر ضروری امور کو عیاں کرنا۔

فاضل مصنف کے بے شمار پڑھنے والے دنیا کے مختلف ممالک جیسے کہ: ہندوستان سے امریکہ، برطانیہ سے انڈونیشیا، پولینڈ سے بوسنیا اور سپین سے برازیل تک موجود ہیں۔ اُن کی کچھ کتابیں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، پرتگیزی، اردو، البانوی، روسی، سربوکرو میٹ (بوسنیائی)، یوگور ترکش اور انڈونیشیائی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں اور دنیا بھر میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان کی کتب سے استفادہ کرتی ہے۔

ان کتب کو عالمی پذیرائی حاصل ہے اور ان کتابوں کی وجہ سے بہت سارے لوگ خدا پر ایمان لے آئے ہیں اور بہت سے لوگوں نے اپنے ایمان کو مزید پختہ کیا ہے۔ دانائی، اخلاص اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا طرز بیان ان کتب کو ایک نمایاں مقام عطا کرتا ہے جو پڑھنے والے یا تجزیہ کرنے والوں کو متوجہ کرتا ہے۔ ان کتابوں میں اعتراضات سے مبرا، پر اثر، نتیجہ خیز اور نا قابل تردید حقائق ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ان کتب کا قاری اُنہیں پڑھنے اور خصوصی توجہ دینے کے بعد بھی مادیت کے فلسفے، ملحدانہ نظام اور مسترد شدہ خیالات کی وکالت کرے۔ اگر پھر بھی وہ ایسی وکالت کرے تو یہ محض جذباتیت ہو گی کیونکہ یہ کتب ایسے نظریات کا اُن کی بنیاد سے انسداد کرتی ہیں۔ آج ایسی منفی تحریکیں نظریاتی طور پر شکست کھا چکی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب قرآن پاک کی حکمت اور نورانیت کی وجہ سے ہے۔ یقینی طور سے فاضل مصنف اپنی علمی قابلیت پر نازاں نہیں، تاہم وہ صرف اس بات کے خواہشمند ہیں کہ وہ صراط مستقیم تلاش کرنے والوں کے لیے ایک ذریعہ بن سکیں۔ مزید برآں مصنف کو ان کتب کی اشاعت میں کسی مادی فائدے کی طلب بھی نہیں۔

ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کتب کے مطالعے کی حوصلہ افزائی ایک عظیم خدمت ہوگی تاکہ یہ کتب زیادہ سے زیادہ افراد کے دل کی ''آنکھیں'' کھولنے کا سبب بنیں اور خدا کا سچا بندہ بننے میں راہنمائی کر سکیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی کتب کی تشہیر جو ذہنوں کو مزید پراگندہ کریں اور لوگوں کے دلوں سے شکوک رفع کرنے میں معاون ثابت نہ ہوں، دراصل محض وقت اور توانائی کا زیاں ہوتی ہیں اور یہ بات تجربے سے تصدیق شدہ ہے۔ ایسی کتب نہ تو زیادہ اثر پذیر ہو سکتی ہیں اور نہ ہی مصنف کی ادبی صلاحیتوں کو نمایاں کرنے اور لوگوں کے ایمان وعقیدے کو بچانے کے عظیم کام میں ممد ومعاون بن سکتی ہیں۔ جن لوگوں کو اس بات میں شک ہو، وہ واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ ہارون یحیٰ کی کتب کا سارا زور، ملحدانہ سوچ کو ختم کرنے اور قرآن حکیم کی آفاقی اور حقانی اقدار کی دعوت دینے پر مرکوز ہے۔ قاری کے اعتراف میں اس خدمت کی کامیابی، اثر اور خلوص کا اظہار پوشیدہ ہے۔

ایک اہم بات ذہن نشین رہے کہ موجودہ ظلم اور استبداد اور مسلمانوں کی ابتلا و مصائب کی بنیادی وجہ عقیدے کی خرابی ہی ہے۔ ان مصائب کا حتمی خاتمہ اس میں ہے کہ بے اعتقادی کی نظریاتی شکست ہو اور اس بات کا یقین ہو کہ ہر شخص تخلیق کے عجائبات اور قرآنی ضابطہ اخلاق کو جان لے اور اس کے مطابق زندگی گزارے۔ اس سے نجات کیلئے بھی ضروری ہے کہ یہ خدمت زیادہ سرعت اور تندہی سے انجام دی جائے، وگرنہ بہت دیر ہو جائے گی۔

یہ کہنا مبالغہ آرائی نہ ہوگی کہ ہارون یحیٰ کی کتب نے یہ کلیدی کردار سنبھال لیا ہے۔ انشاء اللہ یہ کتب اکیسویں صدی میں لوگوں میں، امن، فرحت وشادمانی، عدل اور خوشحالی لانے کا ذریعہ بنیں گی جس کا قرآن میں وعدہ کیا گیا ہے۔

تعارف

اس وقت، آپ جس مقام پر بھی بیٹھے اس کتاب کو پڑھ رہے ہیں، وہاں آپ تنہا نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب آپ کو یہ یقین ہوتا ہے کہ آپ کے آس پاس کوئی نہیں، حقیقتاً آپ تنہا ہرگز نہیں ہوتے۔ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے ہمہ وقت آپ کی نگرانی کرتے اور آپ کے ہر فعل کو تحریر کرتے جاتے ہیں۔ جیسے ہی آپ زبان سے کوئی لفظ ادا کرتے ہیں، یہ نگران فرشتے اس کو ایک اعمال نامے میں لکھ لیتے ہیں۔ آپ کا ہر قدم، ہر سوچ، ہر وہ کام جو آپ کرتے ہیں، وہ عہد و پیمان بھی جو مستقبل میں انجام پانے ہوتے ہیں ...... بغیر کسی غلطی کے ریکارڈ میں درج کر لیے جاتے ہیں۔

یہ فرشتے، چھوٹے بڑے اعمال میں کوئی تمیز یا فرق نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ جب آپ گہری نیند میں سوئے پڑے ہوتے ہیں اُس وقت بھی یہ فرشتے آپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے فرائض بغیر کسی غلطی یا کوتاہی کے انجام دیتے ہیں۔ اُن سے کوئی خطا ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کچھ بھولتے ہیں، اور اپنا کام انتہائی درستگی سے مکمل کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح سے آپ کی موت کیلئے مقرر کردہ فرشتے بھی انتظار کر رہے ہیں۔ وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ آپ کی طے شدہ مدت حیات مکمل ہونے کا ...... جب آپ کی موت کا مقررہ وقت آ پہنچتا ہے تو یہی فرشتے آپ کے بدن سے رُوح قبض کر لیتے ہیں۔

ان فرشتوں کے علاوہ کچھ اور بھی ایسے گواہ موجود ہیں جن کا ہم نے ابھی ذکر نہیں کیا اور شاید آپ اُن کے بارے میں سوچتے بھی نہیں ...... یہ گواہ ہیں، آپ کے ہاتھ، پاؤں، جلد، آنکھیں اور دیگر اعضاء بدن ...... روزِ حساب، یہ تمام گواہ جمع کیے جائیں گے اور

اللہ کے حکم سے یہ سب بولیں گے اور آپ کے بارے میں گواہی دینگے۔ اگر آپ اُن لوگوں میں شامل ہوئے جو اللہ سے نہیں ڈرتے تھے یا اگر آپ پرہیزگار انسان نہیں تھے تو یہ گواہ آپ کے خلاف گواہی دیں گے۔

انسان کو اللہ کی عبادت کیلئے تخلیق کیا گیا ہے اور اُسے مستقل امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ انسان کی اوسط عمر ساٹھ برس ہے اور یہ کوئی اتنا زیادہ عرصہ نہیں، اس عرصہ کے بعد انسان کو بالآخر اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنی زندگی کے ہر سیکنڈ کا حساب دینا ہے۔ جب ہر شخص کو ان گواہوں کے ذریعے یہ پتہ چل جائے گا کہ اُس نے زمین پر کیا کمایا ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرمائے گا کہ وہ انسان کس طرح کی ابدی زندگی کا مستحق ہے۔ اگر کسی انسان کے اعمال اچھے ہوئے تو اُسے اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ شخص ہمیشہ کیلئے محفوظ و مامون ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ اُن لوگوں میں سے ہوا جنہیں اُن کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے تو قرآن کے الفاظ میں وہ کہے گا:

☆...... ''اے کاش! موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی فنا ہو گئی۔

(سورۃ الحاقۃ۔ آیات ۲۵۔۲۹)

یہیں سے اُس شخص کی پکڑ شروع ہو گی، اُسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں لیجایا جائے گا اور وہ کبھی رہائی نہ پا سکے گا۔

اس خوفناک انجام کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس بات کا کبھی تصور ہی نہیں کرتے کہ اُن کے ہر فعل کو اعمال نامہ میں درج کیا جائے گا، اور ایک دن اُن کا یہ اعمال نامہ سامنے لایا جائے گا اور اُنہیں ایک روز اُعمال کا حساب دینا ہو گا، چنانچہ وہ بے پرواہ ہو کر اللہ کا خوف کئے بغیر زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو آخرت کی زندگی، روزِ حساب یا جزائے اعمال اور بے پرواہی کے نتیجے میں بڑے جہنم جیسے خوفناک عذاب کے ملنے کا کامل

یقین نہیں رکھتا، وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو نظر انداز کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کا خوف ہی دراصل اللہ پر ایمان بے حد ٹھوس ثبوت اور آخرت کی زندگی میں ملنے والے اجر کی اہم نشانی ہے۔ آخرت کی زندگی میں، خود کو محفوظ رکھنے کا واحد طریقہ خوف خدا اور پرہیز گاری اختیار کرنا ہے۔

روزِ حساب ایک ایسی خوفناک حقیقت ہے جس سے بچنا ناممکن اور جس کے بارے میں خصوصی طور پر غور وفکر کرنا لازم ہے۔ تاہم یہ خوف صرف ایمان والوں کو نصیب ہوتا ہے اور یہ ایک خاص قسم کا خوف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی متعدد آیات میں روزِ قیامت پیش آنیوالے مختلف واقعات بیان کر دیئے ہیں جیسے کہ غیر متوقع گواہوں (ہاتھ، پیر، جلد وغیرہ اور نگران فرشتے) کا گواہی دینا، زمین پر زندگی کی ابتداء سے لیکر روزِ قیامت تک کے انسانوں کو جمع کیا جانا اور ایسے ہی دیگر حیرت انگیز اور ناقابل یقین حقائق۔ اللہ کی بتائی نشانیاں ناقابل تردید حقیقت ہیں اور ایمان والے جو اس خوفناک حقیقت کا سامنا کرنے کا یقین رکھتے ہیں وہ اللہ کی بتائی ان نشانیوں پر بھی کامل یقین رکھتے ہیں۔

آپ جو کام بھی کرتے ہیں اُسے فوراً نامہ اعمال میں درج کر لیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس وقت آپ کا اس کتاب کو پڑھنا اور اس کے مندرجات پر غور کرنا بھی اعمال نامے میں لکھا جا رہا ہے۔ آپ اس دن کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں جب آپ کو اللہ کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کیلئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ چنانچہ ہمیں اُمید کرنی چاہیے کہ ہم اُن لوگوں میں سے ہوں جو اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں:

☆...... ''اور سفر کا توشہ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیز گاری (تقویٰ) ہے اور ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو!۔

(سورۃ البقرۃ۔ آیت: ۱۹۷)

(تقویٰ کا مطلب ہے پرہیز گاری، اللہ کا ڈر یا خوف، جو کہ انسان کو برائی کے

راستے پر چلنے سے روکتا اور اُن اعمال کی طرف مائل کرتا ہے جن سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ اس کتاب میں ہم لفظ تقویٰ کو متن کی مناسبت سے ''اللہ کا خوف'' یا ''برائی سے بچنا'' یا ''صراط مستقیم پر چلنا'' کے معنوں میں استعمال کریں گے۔)

اللہ پاک کا قرآن میں فرمان ہے

”مجھ سے ڈرو......“

اکثر لوگوں کے خیال کے برعکس، خوف خدا صرف پیغمبروں یا اللہ کے خاص بندوں کیلئے مخصوص صفت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک ایسا احساس ہے جو تمام ایمان والوں کے دلوں میں موجود ہے اور ایک ایسا احساس ہے جو تمام انسانوں کے دلوں میں ہونا چاہیے۔ قرآن میں اللہ کا واضح حکم ہے:

☆...... ”اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے رہے ہو۔“ (سورۃ الحشر۔ آیت: ۱۸)

ہمارے رسول پاک ﷺ نے بھی اپنی متعدد احادیث میں اس موضوع کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مسلمانوں کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین کی ہے۔ جیسے کہ ایک حدیث پاک میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

☆...... ”تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرو۔ اگر تم برے اعمال کے بعد اچھے اعمال کرو تو تم اُسے (بد اعمال کو) مٹا دو گے، اور لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔“ (ترمذی)

اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور وہ اُن سے خوب آگاہ اور انہیں اتنی اچھی طرح

جانتا ہے کہ اتنی اچھی طرح وہ خود بھی اپنے آپ کو نہیں جانتے۔ وہ ہر شخص کے رازوں سے واقف ہے، یہاں تک کہ سب سے بڑے راز یعنی اُن کی مدت حیات سے بھی آگاہ ہے۔
اللہ خوب جانتا ہے کہ انسان کی رُوح کن وسوسوں کا سامنا کرتی ہے اور انسان کا نفس اُس سے کیسے کیسے کھیل کھیلتا ہے کیونکہ وہی ہر رُوح کا خالق ہے اور اُسی نے اسے برائی کرنے کی لامحدود صلاحیت اور ان برائیوں سے بچنے کی سمجھ بھی عطا کی ہے تاکہ اُسے انصاف کے ساتھ پرکھا جاسکے۔ اللہ ہی نے شیطان کو بھی اس امتحان کے ایک کردار کے طور پر تخلیق کر کے اسے مخصوص صلاحیتیں دی ہیں جنہیں وہ انسانوں کو بہکانے کے اپنے مقصد میں استعمال کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زندگی کے امتحان میں ایمان والوں کا سب سے اہم مددگار اللہ کا خوف ہے جو انہیں اللہ کی منشا کے مطابق زندگی گزارنے، اللہ کی خوشنودی کیلئے اعمال کرنے اور شیطان اور نفس کی ترغیبات کو سمجھ کر اُن کے فریب اور کھیل سے بچنے کے قابل بناتا ہے۔ اس طرح کا طرزِ عمل شیطان کی انسان کے نفس کی لامحدود خواہشات کو اُبھار کر گمراہ کرنے کی کوششوں کیلئے ناسازگار ہے چنانچہ خوفِ خدا رکھنے والا انسان محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ انسان کا نفس ...... شیطان کی ترغیب کی وجہ سے ...... دیگر تمام چیزوں سے بڑھ کر اُسے خوفِ خدا سے دُور رکھنے کی کوشش کرے گا۔ شیطان اور نفس انسانی ایسی توجیہات اور نئی نئی راہیں تلاش کرینگے جو خوفِ خدا کو غیر ضروری یا حتیٰ کہ غلط (نعوذ باللہ) کہتے ہوئے لوگوں کو اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکامات کا احترام کرنے سے دور لے جائیں گی اور محض اللہ کی محبت اور پاک دل رکھنے کو ہی کافی قرار دیں گی۔ لیکن قرآن کو پڑھنے والا ایک باشعور شخص باآسانی دیکھ لے گا کہ اس طرح کی باتوں کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں اور یہ باتیں محض گمراہ کن اور غلط مقاصد پر مبنی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اہل ایمان کو قرآن میں ہر ممکن حد تک واضح طور پر حکم دیدیا ہے کہ وہ اس سے ڈرتے رہیں ہیں۔ اللہ کا

یہ حکم قرآن کی متعدد آیات میں موجود ہے، جیسے کہ:

☆...... ''اور ڈرا کرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (سورۃ البقرہ۔آیت:۱۹۶)

☆...... ''اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو تمہیں اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا۔'' (سورۃ البقرہ۔آیت:۲۰۳)

☆...... ''اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' (سورۃ البقرہ۔آیت:۲۳۱)

☆...... ''اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔''

(سورۃ البقرہ۔آیت:۲۳۳)

☆...... ''اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

(سورۃ المائدۃ۔آیت:۳۵)

چنانچہ دیگر تمام احکامات کی طرح ہر ایمان لانے والے کو بلاتردد اور غیر مشروط طور پر اس حکم الٰہی کو بھی بجالانا ہوگا۔اُن لوگوں کے برعکس جو کہ قرآن کی تعلیمات سے آگاہ نہیں اور جو اللہ سے ڈرنے کے بارے میں غیر ضروری سوالات پوچھتے ہیں، اہل ایمان شیطان کی ترغیبات اور مشوروں سے گمراہ نہیں ہوتے، جو دلوں میں یہ باطل خیال ڈال کر وسوسے اور بے یقینی پیدا کرتا ہے کہ جو انسان اللہ سے پیار کرتا ہے وہ اس سے کیوں ڈرے؟ روزانہ پانچ وقت کی نمازیں اور روزے ہر ممکن طور پر بہترین انداز میں ادا کی جانے والی فرض بدنی عبادات ہیں جبکہ خوف خدا ایک انتہائی اہم روحانی جذبہ ہے جسے ہر اہل ایمان کو انتہائی مخلص ہو کر اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے۔اس کے ساتھ ساتھ، اللہ نے

قرآن میں اپنی اس حکمت کی تفصیل بھی بیان کی ہے کہ انسان کو اُس (اللہ) سے کیوں ڈرنا چاہیے۔ ہم آئندہ باب میں اس موضوع پر تفصیل سے بات کریں گے۔

خوفِ خدا: قرآن کی روشنی میں!

☆...... ''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اُس سے ڈرنے کا اور (خبردار) نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔''

(سورہ آل عمران۔ آیت:۱۰۲)

قرآن کے مذکورہ الفاظ ''اللہ سے ڈرو جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے'' اس موضوع کی طرف توجہ دلاتے ہیں جسے قرآن میں انتہائی واضح اور تفصیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیات میں ان موضوعات کو پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ خوفِ خدا سے مراد کس طرح کا خوف، کیسا رُوحانی جذبہ، اور حکم کی نوعیت تعمیل کیا ہے۔ بلا کسی شک کے یہ موضوع قرآن کی تعلیمات کا ایک اہم ترین مقصد ہے، جیسے کہ درج ذیل قرآنی آیت سے ظاہر ہے:

☆...... ''یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے (اسے اتارا گیا ہے) تاکہ انہیں ڈرایا جائے اس کے ذریعے اور تاکہ وہ اس حقیقت کو خوب جان لیں کہ صرف وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں (اس حقیقت کو) دانشمند لوگ۔''

(سورہ ابراہیم۔ آیت:۵۲)

آیئے دیکھتے ہیں قرآن کی روشنی میں اللہ سے ڈرنے کا مطلب کیا ہے۔

ہر ممکن حد تک اللہ سے ڈرنا

☆...... ''پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے اور (اللہ کا

فرمان) سنو اور اسے مانو........" (سورۃ التغابن۔آیت:۱۶)

قرآن میں اللہ تبارک تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی ابدی حاکمیت، اعلیٰ وارفع مقام اور برتری کے ساتھ ساتھ اس سزا سے بھی آگاہ کر دیا ہے جو اُس نے اپنی نافرمانی کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر شخص کو ان حقائق پر مخلص ہو کر غور و فکر کرنا چاہیے اور اُس کے اعمال اور سوچ دونوں ان حقائق سے باخبر ہونے کی عکاسی کرتے نظر آنے چاہئیں۔ قرآن کی آیت کی روشنی میں اس مقصد کے لیے ہر شخص کو اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کوشش کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو ہر ممکن حد تک اللہ کی طاقت سے ڈرنا چاہیے اور جہنم کے ابدی عذاب کے بارے میں اُس کی تنبیہ کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ اس طریقے سے اللہ کا خوف اس شخص کے دل میں ایک قدرتی حقیقت بن کر بس جائے گا۔ بالکل اسی طرح ایک مسلمان کو ہر ممکن حد تک قرآن میں بتائی گئی فرض عبادتوں کی ادائیگی میں غفلت اور ناجائز کاموں کے بارے میں ڈرنا اور محتاط رہنا چاہیے کیونکہ قرآن پاک میں ان چیزوں کے بارے میں بھی تفصیلاً بتا دیا گیا ہے جن کے بارے میں ڈرنا اور محتاط رہنا ضروری ہے، جیسے کہ درج ذیل آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

☆...... "اور اسی طرح ہم نے اُتارا اس کتاب (قرآن) کو عربی زبان میں اور طرح طرح سے بیان کیں اس میں گناہوں کی سزائیں تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کر دے یہ قرآن اُن کے دلوں میں یہ سمجھ۔" (سورہ طٰہٰ۔آیت:۱۱۳)

یہاں ایک اور بے حد اہم نکتہ واضح کرنا بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ اللہ کا خوف کوئی ایسا احساس یا جذبہ نہیں ہے جسے صرف مختلف قسم کے اور کٹھن روحانی مرحلے طے کرنے کے بعد ہی پایا جا سکتا ہو بلکہ یہ ایک نہ نظر آنے والی ایسی کیفیت ہے جو ہر وہ شخص حاصل کر سکتا ہے جو کھلے دل سے اس بارے میں غور و فکر کرے۔ خوفِ خدا کا سچا جذبہ رکھنے کی خواہش

کرنے والا انسان مخلصانہ غور وفکر سے یہ جذبہ حاصل کر سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ، ایک ایسا شخص جو کہ موت کی حقیقت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات پر صرف ایک سیکنڈ کیلئے بھی غور کر لے تو وہ اس خوف، دہشت اور احترام کے حامل جذبہ کو پا سکتا ہے۔ اس کا انحصار قطعی طور پر انسان کی بصیرت اور اُس کی مخلصانہ کوشش پر ہے۔

اللہ کو دیکھے بغیر ڈرنا:

زمین پر محسوس کئے جانے والے مختلف قسم کے خوفوں اور خوفِ خدا کے درمیان کسی بھی قسم کے ابہام کو ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اللہ کا خوف رکھنے والے اہل ایمان کے جذبہ اور اُن کی روحانی حالت کو بھی بیان کر دیا ہے۔ ایک مسلمان کا اللہ سے ڈرنا کسی بھی دوسرے خوف سے مختلف ہے، یہ خوف (خوفِ خدا) انتہائی گہرا اور احترام سے بھرپور ہے۔ خوف کی یہ قسم دوسرے خوفوں سے بالکل الگ ہے اور اس کا مقصد انسان کی تکلیف اور مصیبت میں اضافہ کرنا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس خوفِ خدا، انسانوں کو عاجزی اور اللہ کی فرمانبرداری یاد دلا کر اُن کی فہم وفراست اور شعور کو پروان چڑھاتا ہے۔ یہ خوفِ خدا انسان کو اچھے کردار کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے قابل بناتا ہے۔

یہ خوف ایمان والوں میں آخرت کے اجر کی خواہش کو اُبھارتا اور ان کے دلوں میں اُمید اور جذبہ کو بیدار کرتا ہے۔ اللہ کا خوف ایک مسلمان کی اللہ سے قربت اور اللہ سے پیار میں بھی کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا ناگزیر جذبہ ہے جو عظیم روحانی خوشیاں حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ قرآن پاک متعدد آیات میں اس گہرے احترام کو واضح کرتا ہے جو اہل ایمان کو خوفِ خدا سے حاصل ہوتا ہے، جیسے کہ:

☆...... "بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کیلئے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے۔"

(سورۃ الملک۔ آیت:۱۲)

☆...... (عقلمند لوگ وہ ہیں جو)...... "اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور خائف رہتے ہیں سخت حساب سے۔" (سورۃ الرعد۔ آیت:۲۱)

☆...... "جنت اُس کیلئے ہے جو ڈرتا تھا رحمٰن سے بن دیکھے اور ایسا دل لیے ہوئے آیا جو یادِ الٰہی کی طرف متوجہ تھا۔"

(سورہ قٓ۔ آیت:۳۳)

☆...... "رسول وہ ہیں جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں، وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت:۳۹)

خوف خدا کے ساتھ پُراُمید ہونا:

اگر چہ ایک مسلمان کیلئے اللہ سے ڈرنا لازم ہے، لیکن اُسے اللہ کے اجر عظیم، اُس کی رحمت اور مغفرت کو بھی کبھی نہیں بھولنا چاہیے اور یہ کہ وہی (اللہ) ذات ہے جو اپنی رحمت کے صدقے توبہ قبول فرماتی ہے۔ گویا حقیقی خوفِ خدا دراصل ایک مخلصانہ اُمید کے جذبہ کو پیدا کرنے کا سبب بھی ہے۔ اللہ کے خوف کا گہرا احساس دراصل اللہ کی مذکورہ بالا صفات پر غور کرنے کے قابل بناتا ہے۔ انسان کو اللہ کی حاکمیت اور عظمت کو زیادہ گہرائی اور جوش و جذبہ کے ساتھ تسلیم کرنے اور نتیجتاً اللہ کی زیادہ قربت حاصل کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والا شخص اُس (اللہ) کی رحمت، اُس کی عظمت اور اس کی لامحدود مغفرت کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

چنانچہ ایک سچا مسلمان اللہ کی طرف خوف اور اُمید کے روحانی جذبہ کے ساتھ رُجوع کرتا ہے:

☆...... "دُور رہتے ہیں اُن کے پہلو (اپنے) بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور اُمید رکھتے ہوئے اور ان نعمتوں سے جو ہم نے انہیں دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔"

(سورۃ السجدۃ۔آیت:۱۶)

یہ ایک واضح نشانی ہے کہ اللہ کا خوف قطعاً ایسا جذبہ نہیں جو نا اُمیدی یا مایوسی کا باعث بنے۔قرآن کی کئی آیات مبارکہ میں واضح کردیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ اُمید کا دامن پکڑے رہنا چاہیے:

☆...... ''اور دُعا مانگو اُس سے ڈرتے ہوئے اور اُمید کرتے ہوئے، بیشک اللہ کی رحمت قریب ہے نیکوکاروں سے۔''

(سورۃ الاعراف۔آیت:۵۶)

☆...... ''آپ فرمایئے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہوجاؤ اللہ کی رحمت سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو بلا شبہ وہی بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔'' (سورۃ الزمر۔آیت:۵۳)

حقیقتاً نا اُمیدی تو منکرین اور ایمان نہ لانے والوں کی صفت ہے،اس بارے میں بھی قرآن کی متعدد آیات مبارکہ میں واضح طور پر بتایا گیا ہے، جیسے کہ:

☆...... ''اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہوگئے ہیں میری رحمت سے اور وہی لوگ ہیں جن کیلئے عذاب الیم ہے۔'' (سورۃ العنکبوت۔آیت:۲۳)

☆...... ''اے ایمان والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر،یہ آخرت (کے ثواب سے) مایوس ہوگئے ہیں جیسے کہ وہ کفار مایوس ہوچکے ہیں جو قبروں میں ہیں۔''

(سورۃ الممتحنۃ۔آیت:۱۳)

ایمان والے اللہ سے کیوں ڈرتے ہیں؟

یہ سمجھنے کیلئے کہ اہل ایمان اللہ سے کیوں ڈرتے ہیں، اس بات کا ادراک بہت ضروری ہے کہ اللہ کا ڈر دراصل ایک ایسا احساس ہے جو ایمان لانے والے کے ایمان، جذبہ، پیار اور اللہ کے احترام کو جلا بخشتا ہے۔ یہ خوف انسان کو اللہ کے ناپسندیدہ اعمال سے بچنے، نفسانی خواہشات کو دبانے اور لامحدود شیطانوں پر قابو پانے کیلئے ڈھال فراہم کرتا ہے۔ مثبت طرز فکر سے اس خوف کو خود پر لاگو کر کے دیکھا جائے تو یہ مستقلاً اچھے اعمال اور اچھے رویوں کو پروان چڑھاتا ہے۔

یہ خوف ایمان رکھنے والے شخص کو اللہ کے عذاب سے دور لے جاتا اور اُسے اللہ کی خوشنودی اور اُس کے کرم کی طرف لے جاتا ہے جس کا نتیجہ عظیم رُوحانی اطمینان و سکون کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ یہ خوف ایمان والوں میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کا خیال رکھنے کی ضرورت کو بیدار کرتا ہے، اُنہیں اللہ کی رضا حاصل کرنے کی مسلسل جستجو اور مستقل ہوشیار رہنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں خوف خدا، ایمان والوں کو روزِ آخرت کے ڈر اور جہنم کے ابدی خوف و دہشت سے محفوظ رکھے گا۔

☆...... ”جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں، چھپ کر اور علانیہ، تو ان کے لیے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس اور نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

(سورۃ البقرہ۔ آیت: ۲۷۴)

اہل ایمان جو اللہ کی تنبیہ اور سزا سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو اُس (اللہ) کے

احکامات اور فیصلوں پر قطعی بیداری سے ثابت قدم رہتے ہیں دراصل یہی اہل ایمان اُس بے حد اعلیٰ وارفع ضابطہ اخلاق کے مالک ہوں گے جو اللہ کے حصول مقبول ہے: یعنی عاجزی، تحمل، فکر و تدبر، مستقل مزاجی اور اللہ کی قدرت کی بے مثال فضیلت سے حقیقی معنوں میں آگاہی جیسے اوصاف۔ ایسے لوگ مثالی کردار کا مظاہرہ کریں گے اور حقیقی آگاہی اور سمجھ بوجھ رکھتے ہونگے۔ مختصراً یہ کہ، اللہ کا خوف ایمان رکھنے والوں کو رُوحانی طور پر مضبوط بناتا ہے۔ یہ اُن کی باطنی نظر کو جلا بخشتا اور رُوحانی بصیرت کے راستے قابل تعظیم ایمانی حالت عطا کرتا ہے جو حقیقتاً ابدی اجر اور خوشی کی کنجی ہے۔

وہ اللہ کے بلند و بالا رُتبہ سے ڈرتے ہیں:

ایک ایمان لانے والا جو قرآن میں بیان کردہ نشانیوں کے ذریعے اللہ کے بارے میں آگاہی رکھتا ہے اور اُس کی صفات پر مخلصانہ غور کرتا ہے وہ شخص فوراً ہی اس اندرونی ڈر کو محسوس کرنے لگے گا جو اللہ کے بلند و بالا مقام اور اس کی برتری کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کا جاہ و جلال، اس کی عظمت اور لامحدود طاقت، ایمان لانے والے کے اندر خود بخود دہشت اور تحیر سے بھرپور، خوف پیدا کر دے گی۔

یہ خوف ایک قدرتی خوف ہے جو اس ایمان رکھنے والے کے دل میں پیدا ہوتا ہے جو اللہ کے بلند اور اعلیٰ رُتبہ کا خیال رکھتا ہے۔ اس خوف کی سطح کسی شخص کے ایمان کی گہرائی اور غور و فکر کی صلاحیت کے لحاظ سے بڑھتی جائے گی۔ اس طرح کے خوف کو قرآن میں خشیت (احترام کے ساتھ ڈرنا) کا نام دیا گیا ہے۔

اللہ لامحدود قوت و علم کا مالک اور لامحدود بصیرت رکھتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں مگر لوگوں کو اپنے اعمال کیلئے اس کے سامنے جوابدہ ہونا ہوگا۔ ہمارے خالق و مالک کو کسی شخص کی ضرورت نہیں، تاہم ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ ہر شخص اور ہر شے کو عدم سے پیدا کیا گیا ہے اور اللہ ہی انہیں تخلیق کرنے

والا ہے، وہ ہر شخص اور ہر شے کا مالک ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ہر شخص کو فنا کر دیتا اور اُن کی جگہ کوئی دوسری مخلوق لے آتا۔ وہ کبھی کوئی چیز نہیں بھولتا۔ اگر اللہ کسی بات کی خواہش کرتا ہے تو وہ صرف "کن (ہو جا)" کہتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے۔ کوئی شے اُسے تھکا نہیں سکتی۔ اسی لئے ایک عقل رکھنے والے شخص کیلئے ایک لمحہ کیلئے بھی اللہ سے اختلافی رویہ روا رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس عظیم ترین ہستی کے سامنے وہ کیسے باغیانہ رویہ اختیار کر سکتا ہے جس کی برتری لامحدود ہے۔

قرآن میں بتائی نشانیوں سے اللہ کو پہچاننے والا کوئی بھی شخص جو اُس کی قوت کو تسلیم کرتا ہے وہ اس کی عظمت سے خشیت کو محسوس کرے گا اور اس کے حضور عاجزی و انکساری اختیار کرے گا۔ ایک مسلمان جو اللہ کی عظمت، جاہ و جلال اور قوت کو جانتا ہے وہ اس کی صفات جیسے کہ "بدلہ دینے والا" "زور والا" "سزا دینے والا" اور "رُسوا کرنے والا" سے بھی واقف ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ اللہ کے احکامات کے خلاف کوئی بھی رویہ اُس (اللہ) کے ردعمل سے بچ نہیں پائے گا۔ مسلمان اس علم کے ساتھ کوئی بھی کام انجام دے گا کہ اللہ ہر وقت ہر شے سے باخبر ہے اور یہ کہ وہ (اللہ) ہر جگہ اور ہر مقام پر موجود ہے، اور یہ کہ وہ (اللہ) اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

ایمان لانے والے کے خلوص کے صلے میں، اللہ تعالیٰ اُسے اپنا کبھی نہ ختم ہونے والا اجر عطا کر کے اس دنیا میں بھی عزت بخشے گا اور آخرت میں بھی جنت میں جگہ عطا فرما کر نوازے گا:

☆...... "اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے رُوبرو کھڑا ہونے سے تو اُس کو دو باغ ملیں گے۔" (سورۃ الرحمٰن۔ آیت: ۴۶)

اللہ کو اس طرح تسلیم کرنے کیلئے جیسے کہ اسے تسلیم کرنے کا حق ہے یہ ضروری ہے کہ قرآن میں موجود اُس (اللہ) کی نشانیوں کے ساتھ ساتھ اس مادی دنیا میں پائی جانے والی اُس (اللہ) کی نشانیوں کو پہچاننے کے قابل ہوا جائے۔ انتہائی چھوٹے ایٹم یا خلیہ سے

لیکر انتہائی بڑے بڑے ستاروں اور کہکشاؤں میں اللہ کی تخلیق کے حوالے سے موجود تفصیلی علم، انسان کے دل میں اللہ کے خوف کو مزید تقویت دینے کا باعث بنتا ہے۔ ان چیزوں سے آگاہ ہونے پر انسان اللہ کی اُس وسیع ترین بصیرت، قوت اور علم کا مزید قائل ہو جاتا ہے جو ان بے شمار چیزوں میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے جنہیں اُس (اللہ) نے وجود بخشا ہے، اور انسان ان چیزوں پر غور و فکر کرنے کے بعد اللہ کی قوت تخلیق کی بے مثالی کو پوری طرح سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یوں اس طور سے یہ غور و فکر اور آگاہی اللہ کے خوف میں کئی گنا اضافہ کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ اسی راز سے قرآن میں پردہ اُٹھاتے ہوئے فرماتا ہے:

☆...... "اللہ کے بندوں میں صرف علماء ہی (پوری طرح) اُس سے ڈرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بہت بخشنے والا ہے۔" (سورہ فاطر۔ آیت: ۲۸)

وہ اللہ کی تنبیہوں (warnings) سے ڈرتے ہیں:

ایک اور آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اپنی تنبیہوں سے ایسے ہی ڈرنے کی ہدایت کرتا ہے جیسے کہ وہ، اُس (اللہ) کے اعلیٰ و ارفع مقام سے ڈرتے ہیں:

☆...... "یہ (وعدہ نصرت) ہر اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور خائف ہے میری دھمکی سے۔"

(سورہ ابراہیم۔ آیت: ۱۴)

جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کا حکم نہیں مانتے، جو اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ اللہ کو کیا پسند ہے اور جو اس کی ہدایات اور پابندیوں کو نہیں پہچانتے، اللہ نے اُن لوگوں کیلئے کبھی نہ ختم ہونے والے روحانی اور جسمانی عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ایک سچا ایمان لانے والا جانتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ اسی وجہ سے وہ اُس ناقابل برداشت اور کبھی نہ ختم ہونے والے عذاب جہنم کے ذکر سے خوفزدہ

ہوتا ہے جس کا اللہ نے ایمان نہ لانے والوں کیلئے وعدہ کر رکھا ہے۔ سچے ایمان والوں کی اس روحانی حالت کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

☆...... ”اور جو تصدیق کرتے ہیں روزِ جزا کی اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔“ (سورۃ المعارج۔ آیات:۲۶۔۲۸)

سچے دل سے اللہ کا ڈر رکھنے والے مومنوں کی روحیں تک جہنم کی آگ کے بارے میں قرآن کی آیات سن کر کانپ اُٹھتی ہیں۔ دوسری طرف جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ اللہ کی کتاب (قرآن) پڑھنے کے باوجود بھی اس کے معنی مکمل طور پر سمجھ نہیں پاتے۔ چنانچہ سچے مومن ہی قرآن کی آیات مبارکہ میں موجود جہنم کے عذاب کے بارے میں اللہ کی تنبیہات کو سمجھ سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو سچے مسلمان ہیں جو قرآن کی تعلیمات پر غور کرتے، اللہ کے عذاب سے ڈرتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ (سچے مسلمان) دوسرے عام انسانوں کی پیروی کرنے کی بجائے، خوف الٰہی رکھنے والے مومنوں (جن کی قرآن میں تعریف کی گئی ہے) اور انبیائے کرام کے کردار کی پیروی کرتے ہیں۔

یہ لوگ اس زعم میں مبتلا ہو کر متکبر یا غافل نہیں ہو جاتے کہ چونکہ ہم ایمان لے آئے ہیں لہٰذا قرآن کی یہ آیات ہم پر لاگو نہیں ہوتیں بلکہ ایمان لانے کے نتیجے میں وہ ہمیشہ اللہ کی شفاعت اور اس کے رحم کی اُمید کرتے رہتے ہیں، جیسے درج ذیل آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے:

☆...... ”پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔“ (سورۃ السجدۃ۔ آیت:۱۶)

اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

☆...... ”جب کسی ایمان والے کا دل اُمید اور خوف کے ان احساسات سے بھر جاتا ہے تو اللہ پاک اُس کی اُمید کو پورا کرتا ہے اور اُسے اُس کے ڈر سے نجات دے دیتا ہے۔“ (ابن ماجہ)

لوگوں کو جہنم سے بچانے کیلئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار تنبیہات اور یاد دہانیاں موجود ہیں کہ شاید منکرین ان سے خوف کھا کر اپنے کردار کے بارے میں محتاط ہو جائیں، اُنہیں اُس عذاب سے ڈرایا گیا ہے جس کا سامنا اُنہیں حالت کفر میں مرنے کے بعد کرنا پڑے گا۔ قرآن میں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

☆...... ”اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو گھاٹے میں ڈالیں گے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن۔ ان (بدبختوں) کے لیے اُوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے، اس (عذاب الیم) سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو، اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔“ (سورۃ الزمر۔ آیات: ۱۵۔۱۶)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے لوگوں کو اپنی آیات، پیغمبروں کی تبلیغ یا اُن خاص واقعات کے ذریعے جو اُس کی تنبیہی نشانیوں کے طور پر رُونما ہوتے رہے ہیں، واضح طور پر خبردار کر دیا ہے۔ وہ (اللہ پاک) لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے اور اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ ”......اور ہم انہیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں۔ پس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے“ (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت: ۶۰)۔ یہ آیت مبارکہ واضح طور پر بتاتی ہے کہ جو لوگ جانتے بوجھتے ایمان نہیں لاتے، اللہ کی تنبیہات اُن کے کسی کام کی نہیں، اُلٹا وہ مزید سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن جب مقررہ وقت آ پہنچے گا تو جس عذاب کو وہ جھٹلاتے آئے تھے وہ ایک یقینی سچ بن کر اُنہیں آ لے گا۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو درج ذیل آیات میں بیان فرماتا ہے:

☆...... ”تیری خرابی آ گئی، اب آ گئی پھر تیری خرابی آ گئی اب آ گئی۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔“

(سورۃ القیامۃ۔ آیات:۳۴۔۳۶)

وہ لوگ جو دنیاوی زندگی میں خوفِ خدا نہیں کرتے اور اللہ کے عذاب کو جھٹلاتے ہیں، روزِ حساب (جب ہر شخص کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوگا) انہیں اُن کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور گروہوں کی شکل میں جہنم کے ابدی عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا جب انہیں جہنم کے دروازوں کی طرف لے جایا جائے گا تو وہ نفسیاتی طور پر مکمل تباہی کا شکار ہوں گے۔ اللہ پاک ان لمحات کو اپنی آیات میں اس طرح بیان فرماتا ہے:

☆...... ”اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف گروہ در گروہ، جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیئے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے دوزخ کے پہرے دار کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے۔ کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوحِ محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے۔ پس کتنا برا ٹھکانہ ہے مغروروں کا۔“ (سورۃ الزمر۔ آیات:۷۱۔۷۲)

اس طرح سے وہ جہنم کے دروازوں سے اندر داخل ہوں گے، ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہنے کیلئے۔ پھر جہنم کے دروازے بند کر کے مقفل کر دیئے جائیں گے، اُن کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہ ہوگا اور اُن کے بدن اور روحیں کبھی نہ ختم ہونے والی ناقابلِ برداشت تکلیف میں مبتلا ہوں گی۔ لیکن اُن کو ملنے والی کوئی بھی سزا ان کا خاتمہ نہیں کرے گی بلکہ اُنہیں آگ

میں بار بار ڈالا جائے گا، ہر بار جلنے پر اُن کو نئی جلد عطا کی جائے گی اور یوں اُن کا عذاب جاری رہے گا۔ وہ عذاب کے خاتمے کیلئے گڑگڑائیں گے مگر اُنہیں یہ جواب ملے گا:

☆...... ''اور وہ پکاریں گے، اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ جلتے رہنا ہے۔'' (سورۃ الزخرف۔ آیت: ۷۷)

جہنم کے عذاب مختلف قسم کے ہیں اور ان میں سے ہر عذاب انسانی تصور سے بھی باہر ہے ایمان سے منہ موڑنے والے جہنم کی آگ کا ایندھن ہوں گے اور بے حد تکلیف میں مبتلا رہیں گے۔ اُن کے چہروں کو آگ میں رُوندھا جائے گا۔ ہاتھ باندھ کر اُنہیں تنگ مقامات پر کھولتی آگ میں پھینک دیا جائے گا جہاں اُنہیں اُبالا اور پگھلایا جائے گا۔ پھر اسی حالت میں اُنہیں لوہے کے گرزوں سے کوڑے لگائے جائیں گے، وہ تارکول کا لباس پہنیں گے اور آگ کے بستروں پر سوئیں گے۔ وہ کانٹوں بھری کڑوی جھاڑیاں اور زہر آلود زقوم کھائیں گے اور خون اور زخموں سے رِستی پیپ پئیں گے۔ اُنہیں پینے کیلئے جو کھولتا ہوا پانی ملے گا وہ اُن کے کٹوروں کو پارہ پارہ کر دے گا۔ آگ اُن کے چہروں کو اُدھیڑ دے گی، اُن کے ہونٹ دانتوں سے کٹ کر لٹک رہے ہوں گے اور وہ آہیں بھرتے بامشکل سانس لے رہے ہوں گے۔ یہ سب جہنم کے جسمانی عذاب کا انتہائی محدود بیان ہے۔

جہنم کے عذاب میں مبتلا افراد کو نفسیاتی طور پر بھی اسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے وہ جسمانی طور پر گزار رہے ہوں گے۔ وہ بیک وقت خود کو لاچار، نااُمید اور مایوس محسوس کریں گے اور اُنہیں رسوائی، ذلت، شرمندگی، تذلیل، غصے، طیش اور عیب جوئی کا سامنا کرنا ہوگا، پھر اس پر اُن کو دی جانے والی سزا اُنہیں قطعی تباہ و برباد کر دے گی۔

اس تہہ در تہہ عذاب و تکلیف کا سامنا کرتے ہوئے اُن میں سے ہر ایک تنہا اور ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ وہ مستقل ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے۔ اُن کا مجنونانہ

طور پر چلانا، شور وغل مچانا، گڑگڑانا، بھیک مانگنا اور آہ وبکا کرنا ایک بہرہ کردینے والی پکار میں تبدیل ہوجائے گا۔

ایسا لگے گا کہ اس عذاب میں مبتلا افراد شاید کسی اور قسم کی مخلوق ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوگا، یہ وہی لوگ ہوں گے جو کبھی زمین پر بستے تھے اور جنہیں شاید آپ نے گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہوگا، ان میں سے کچھ کو ہوسکتا ہے آپ ذاتی طور پر پہچانتے ہوں۔ کچھ بھی بدلا نہ ہوگا سوائے اس کے کہ وہ وقت آپہنچے گا جس سے وہ ہمیشہ انکار کرتے آئے تھے اور موت کے فرشتوں نے اُن کی روحیں قبض کرلی ہوں گی اور وہ اپنے گناہوں کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ اللہ کی مخلوق میں صرف سچے اہل ایمان ہی ہیں جو اُس (اللہ) کی عظیم تنبیہات سے حقیقی طور پر آگاہ ہیں اور جن کی حالت، خوف اور اُمید پر مبنی ہوتی ہے۔

☆...... ”رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو (بارگاہ الٰہی میں) عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! دور فرمادے ہم سے عذاب جہنم، بیشک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے۔“

(سورۃ الفرقان۔آیت:۶۵)

وہ اللہ کی رضا اور محبت کھونے سے ڈرتے ہیں:

سچے مومن، جو اللہ سے سچا اور دلی پیار کرتے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس پیار کی حقیقی رُوح دراصل اللہ کا دلی اور گہرا خوف رکھنا ہے جو احترام سے بھرپور ہو۔ حقیقی مومن، جنہوں نے اللہ سے پیار کرنے کی ناقابل بیان روحانی خوشی کو محسوس کیا ہے، وہ ہر لمحہ کوئی بھی ایسی غلطی یا خطا ہوجانے سے خوفزدہ رہتے ہیں جو اس پیار کو خطرے میں ڈالنے کا سبب بن جائے یا اس سے بھی بڑھ کر اُن کی سب سے عزیز ترین ہستی یعنی اللہ کی ناراضگی یا غضب کا موجب بن جائے۔

خوفِ خدا، دراصل انتہائی مضبوطی سے حب الٰہی کیساتھ جڑا ہوا ہے۔ حب الٰہی

صرف اللہ کے قرب سے ہی حاصل ہو سکتی ہے جو صرف اُسی وقت حقیقت میں میسر آتا ہے جب کوئی شخص اللہ سے دلی اور مخلصانہ طور پر رشتہ بنالیتا ہے۔ تاہم، اللہ کا قرب، اُس (اللہ) کی محبت اور منظوری کے بغیر ممکن نہیں اور یہ (اللہ) کی مقرر کردہ حدود کی پابندی اور اُس (اللہ) کے احکامات کی بجا آوری سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کوئی ایسا مقام نہیں جو اللہ کا خوف کئے بغیر حاصل کیا جا سکے کیونکہ ایسی صورت میں اُس شخص کی رُوح جو اللہ کا خوف نہیں رکھتا، مسلسل اُسے اُن چیزوں کی طرف کھینچے گی جو اللہ کی طرف سے ممنوع قرار دی گئی ہیں اور وہ اُن چیزوں سے غافل اور دور ہو جائے گا جو اللہ ہم سے چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کا واحد راستہ اُس سے ڈرتے رہنا ہے۔

یہ طریقہ اللہ کا بتایا ہوا ہے چنانچہ یہ سمجھنا کہ اُس (اللہ) کی محبت اور رضا...... اُس (اللہ) کا خوف رکھے بغیر حاصل کی جا سکتی ہے دراصل انتہائی خود فریبی کی نشانی ہے۔ دوسری ہر چیز سے پہلے اللہ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اُس (اللہ) سے ڈریں۔ اس حکم کو نظر انداز کرنا اور یہ کہنا کہ انسان کو صرف اللہ سے پیار کرنا چاہیے غیر منطقی بات ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ سے پیار کرتے ہیں حالانکہ اُن کے اعمال اس کے برخلاف اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوتے ہیں، ایسے لوگ دراصل اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کیلئے خود کو ہی دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔ وہ جس حب الٰہی کی بات کرتے ہیں وہ صرف اُن کا من گھڑت اور غیر حقیقی تصور ہوتا ہے۔ جو لوگ حقیقتاً اللہ سے پیار کرتے ہیں وہ تو اُس (اللہ) کے احکامات اور پابندیوں کے بارے میں انتہائی محتاط اور قطعی پابند رہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ اللہ سے ڈرنا ضروری نہیں دراصل ایسے ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ "نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور عبادت کرنے کی ضرورت نہیں۔" ایسے لوگ نہ صرف خوف خدا کے حوالے سے بہانے تراشتے ہیں بلکہ وہ اللہ کے دیگر احکامات کو پورا کرنے سے بچنے کیلئے بھی یہی روش اختیار کرتے ہیں۔

وہ جانتے ہیں اللہ زمین پر بھی گرفت میں لے سکتا ہے:

قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے اسی دنیا میں عذاب سے دوچار کر دیا۔ اللہ کی طرف سے عذاب سے بچنے کے کافی مواقع ملنے کے باوجود بھی جن لوگوں نے بدستور ایمان لانے سے انکار کیا، اُنہیں اپنے کیے کی سزا کے طور پر اس دنیا میں ہی اللہ کی ''پکڑ'' کا سامنا کرنا پڑا اور وہ دوسرے لوگوں کیلئے خاص مثالیں بن گئے ہیں۔

اس طرح کی ایک خاص مثال قارون کی ہے جسے اللہ نے بے حد مال و دولت سے نوازا تھا۔ اس بے شمار دولت کی وجہ سے وہ متکبر ہو گیا اور خود ستائشی کی انتہائی حد تک پہنچ گیا۔ شروع میں لوگ قارون کی زبردست طاقت سے متاثر تھے اور وہ مکمل طور پر اُس کی تعریف و توصیف بجا لاتے تھے۔ تاہم، بعد ازاں، جب وہ بے انتہا غرور کے باعث اپنے منطقی انجام سے دوچار ہوا تو لوگوں کو بالآخر سچ کی سمجھ آئی۔ اُس کی نافرمانی کے صاف نتیجہ کے طور پر قارون کو انتہائی غیر متوقع اور ناقابل تصور انداز میں تباہ و برباد کر دیا گیا اور اُسے پوری نسل انسانیت کیلئے ایک سبق بنا دیا گیا۔

☆ ...... ''الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت کے ساتھ۔ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزومند تھے دنیوی زندگی کے، اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ و جلال) نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو۔ واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔'' (سورۃ القصص۔ آیت: ۷۹)

☆ ...... ''پس ہم نے غرق کر دیا اُسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں' تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں۔ اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔

اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے، اوہو! (اب پتہ چلا) کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا۔ اوہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے۔" (سورۃ القصص۔ آیات:۸۱۔۸۲)

قارون کی کہانی اور قرآن میں موجود بہت سے دوسرے ایسے طاقتور اور اعلیٰ دنیاوی مقام رکھنے والے لوگوں کے قصے جو خود کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے، اس حقیقت کی طرف خاص توجہ دلاتے ہیں کہ اللہ نے ان لوگوں کو اسی دنیا میں سزا دی۔ یہ حقیقت قرآن مجید کی بہت سی آیات مبارکہ میں بیان کی گئی ہے:

☆...... "کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ وہ دیکھتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے، وہ زیادہ تھے ان سے زور میں اور اُنہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کیا......" (سورۃ الروم، آیت:۹)

☆...... "کیا اس (مغرور) کو اتنا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں؟......"

(سورۃ القصص۔ آیت:۷۸)

☆...... "اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا) کہ کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا وہ ساز و سامان اور ظاہری سج دھج میں ان سے

بہتر تھیں"! (سورہ مریم۔ آیت: ۷۴)

جو چیز ایک سچے مومن کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اُس کا ان تمام معاملات پر غور و فکر کرنا ہے۔ وہ (مومنین) اندرونی جذبہ کے تحت اللہ سے ڈرتے ہیں اور محتاط ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب اُن سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے یا وہ کوئی غلط قدم اُٹھا بیٹھتے ہیں تو اُنہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ فوراً اس پر اُن کی ''پکڑ'' کر سکتا ہے اور اسی لیے وہ غم اور ندامت کی حالت میں اُسی (اللہ) کی طرف رُجوع کرتے ہیں اور اُس سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

ایک سچا مسلمان اللہ سے بہت ڈرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی لامحدود رحمت پر بھی کامل یقین رکھتا ہے۔ یہ سمجھ بوجھ اسے حیات بعد از موت پر غور کرنے کے نتیجے میں عطا ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا ذکر فرماتا ہے جو سچے مومنوں کے برخلاف رویّہ اختیار کرتے ہیں۔ اس رویّہ کے نتیجے میں ملنے والے عذاب کو با آسانی سمجھا جا سکتا ہے مگر یہ لوگ اس کو اپنے اخذ کردہ نتائج کی وجہ سے حقیقی طور پر سمجھ نہیں پاتے اور اپنی غلط روش پر چلتے رہتے ہیں۔ اس صورتحال کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

☆...... ''پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے، (نہیں نہیں!) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے، تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔'' (سورۃ الاحقاف۔ آیات:

۴۴۔۴۵)

نتیجتاً جب ہم قرآن میں دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ برے اعمال اور بدی کرنے والا اگر اپنی اصلاح نہیں کرتا اور فوراً ان اعمال کو ترک نہیں کرتا...... تو جیسا کہ اللہ کے عظیم انصاف کا تقاضا ہے، اس شخص کو بخشا نہیں جاتا۔ تاہم، یہ سزا کبھی لوگوں کو اسی دنیا میں آلیتی ہے اور کبھی اسے روز قیامت کیلئے ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو خودسری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنے بداعمال کو جاری رکھتے ہیں وہ اس عذاب سے قطعاً محفوظ نہیں جو اللہ اُن پر ایک لمحے میں مسلط کرسکتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

☆...... "کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ تعالیٰ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل، پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے کوئی کارساز۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر سخت آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو، پھر غرق کر دے تمہیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا، پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا۔" (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیات: ۶۸۔۶۹)

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عظیم انصاف کو یوں بیان فرماتے ہیں:

☆...... "اُس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم لازماً نیک کاموں کی تاکید کرو اور برے کاموں سے روکتے رہو ورنہ اللہ یقیناً بہت جلد اپنا عذاب تمہاری طرف بھیج دے گا۔ پھر تم گڑگڑاؤ گے اور کوئی جواب نہیں ملے گا۔" (ترمذی)

انسان اپنی ساری زندگی غیر ذمہ داری سے نہیں گزار سکتے کیونکہ وہ اللہ کے

سامنے جوابدہ ہیں۔ چنانچہ اس کے خلاف جانا خود پر اللہ کا عذاب مسلط کرنے کے مترادف ہوگا۔ سوچتے سمجھتے ہوئے ایسا رویّہ روا رکھنا اللہ کی طاقت کی عظمت کو سمجھنے میں ناکامی کی واضح نشانی ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو وہ کسی بھی لمحے اُن تمام نعمتوں کو واپس لے لیتا ہے جن سے اُس نے انسانوں کو نواز رکھا ہے۔ اس بات کی طرف قرآن کی آیات مبارکہ میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

☆...... "اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان (اندھوں) کو راستہ کیسے نظر آتا اور اگر ہم چاہتے تو ہم اُنہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر پھر وہ نہ آگے جا سکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے۔"

(سورہ یٰسین۔ آیات: ٦٦۔٦٧)

حقیقت تو یہ ہے کہ ہر وہ شے جو کسی شخص کے پاس ہے، ہر سانس جو وہ لیتا ہے، اُس کی زندگی کا ہر سیکنڈ...... اللہ کا عطا کردہ ہے، اور چونکہ حقیقی مومنین ان حقیقتوں سے آگاہ ہیں لہٰذا وہ ہر لمحہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا خیال رکھتے ہیں۔

بغیر تیاری موت کے آلینے کا ڈر:

موت ایک واضح حقیقت ہے۔ اوسط کی بنیاد پر ایک انسان دنیا میں تقریباً 60 برس تک زندگی گزارتا ہے اور اس کے بعد حیات بعد از موت شروع ہو جاتی ہے۔ یہ حیات بعد از موت یا تو جنت کے باغات میں کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں کے ساتھ گزارنی ہوگی اور یا پھر جہنم کی آگ میں، جو کہ روح اور بدن کے عذاب کیلئے، خصوصی طور پر تیار کی گئی ہے۔ جب بھی اللہ چاہے ہے، وہ کسی بھی شخص کی اس دنیا پر حیات کا خاتمہ کر سکتا ہے اور اسے عدم کی طرف منتقل کر سکتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس (اللہ) کا یہ فیصلہ آنکھ جھپکنے کے ساتھ ہی حقیقت بن سکتا ہے۔

کوئی بھی شخص یہ نہیں جان سکتا کہ وہ کب موت کا شکار بنے گا، کب اُس کا وقت امتحان ختم ہوگا اور کب اُس کے حتمی فیصلے کا لمحہ آ پہنچے گا۔ اس حقیقت کے نتیجے میں ظاہر ہے اُسے اس بات سے بے حد خوفزدہ اور فکر مند ہونا چاہیے، کہ کہیں تیاری کے بغیر ہی وہ لمحات نہ آ پہنچیں، وہ اپنے اعمال کا جواب نہ دے سکے اور اُن فرائض کا بوجھ اس پر لاد دیا جائے جنہیں وہ نظر انداز کرتا رہا تھا یا سنجیدگی سے نہیں لیتا رہا تھا۔ جب موت کے فرشتے آ پہنچتے ہیں تو پھر نامکمل فرائض کو ادا کرنے کا کوئی مزید موقع نہیں رہتا اور نہ ہی انسان اُس کام کیلئے کوئی متبادل راہ تلاش کر سکتا ہے جو مکمل ہونا چاہیے تھا۔ اس لمحے تک کیے گئے اعمال انسان کے حق میں بھی ہو سکتے ہیں اور اُس کے لیے باعث عذاب بھی۔ اور ہر شخص کو ان اعمال کیلئے جوابدہ ہونا ہوگا' اُسے اُن کا ذمہ دار ٹھہرایا جائیگا اور پھر اُن کے بدلے میں عذاب یا انعام سے نوازا جائے گا۔

موت ایسی حقیقت ہے جس کے بعد دنیاوی زندگی میں واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ ہر شخص کو "اتنی لمبی عمر دی گئی تھی جس میں (با آسانی) نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا۔" (سورہ فاطر۔ آیت: ۳۷) جب مدت کا مقررہ وقت آ پہنچتا ہے تو پھر وہ شخص خواہ کتنا بھی گڑگڑائے یا التجا کرے، اُسے مزید کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ اُسے اللہ، کے اُن فرائض کو پوا کرنے کیلئے کوئی اضافی وقت نہیں دیا جائے گا، جو اُس نے اس وقت تک ادا نہیں کیئے ہوں گے۔ سچے مسلمانوں کو نافرمانی اور غفلت سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا ہے:

☆...... "اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ آ جائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لیے کیوں مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ (وخیرات) کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا

اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آ جائے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔" (سورة المنفقون۔ آیات:۱۰۔۱۱)

لوگوں کو کبھی بھی خود سے یا اُن اعمال سے جو اُنہوں نے اب تک انجام دیئے ہیں، مطمئن نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موت کسی بھی لمحے حقیقت بن سکتی ہے اور وہ بغیر تیاری کے اپنے اُس انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں جہاں سے واپسی ناممکن ہے۔ اسی لیے انسان کو ہر لحہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کرتے ہوئے گزارنا چاہیے۔

وہ روزِ حساب سے ڈرتے ہیں:

اللہ اور روزِ حساب کا جو ڈر ایمان والوں کے دلوں میں گامزن رہتا ہے اُسے درج ذیل آیت قرآنی میں بیان فرمایا گیا ہے:

☆...... "جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے نیز وہ قیامت سے بھی ترساں رہتے ہیں۔" (سورة الانبیاء۔ آیت:۴۹)

مزید براں، ایک اور آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اندرونی خوف کی طرف یوں اشارہ فرماتا ہے:

☆...... "ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام۔ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح اور شام۔ وہ (جواں) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یادِ الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اُس دن سے، گھبرا جائیں گے جس میں دل۔ اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ (سورة النور۔ آیات:۳۶۔۳۷)

قیامت کے روز دونوں طرح کے لوگوں کو...... یعنی اُن لوگوں کو بھی جو اللہ کے خوف سے ساری زندگی دور رہے اور اُن لوگوں کو بھی جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کیے رکھی...... باری باری اُن کے دنیاوی اعمال دکھائے جائیں گے۔ مزید یہ کہ چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کو بھی نظر انداز نہ کرتے ہوئے، اُس روز (روزِ حساب) وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ سے ڈرے بغیر غیر ذمہ داری سے بے احتیاطی سے گزاری، خوب اچھی طرح جان لیں گے کہ اُن کا ٹھکانا کیا ہے:

☆...... ''اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ تاکہ اُنہیں دکھا دیئے جائیں ان کے اعمال۔ پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔'' (سورۃ الزلزال۔آیات:٦۔٨)

اس وقت خوف اور غم کے باعث وہ موت کی خواہش کریں گے اور راہ فرار تلاش کرینگے۔ اُن کی خستہ حالی کو قرآن کی درج ذیل آیات میں واضح کیا گیا ہے:

☆...... ''اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! موت نے ہی (میرا قصہ) پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی فنا ہوگئی۔'' (سورۃ الحاقۃ۔آیات:۲۵۔۲۹)

☆...... ''اور جس (بدنصیب) کو اس کا نامہ عمل پس پشت دیا گیا تو وہ چلائے گا، ہائے موت! ہائے موت! اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں۔ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہا کرتا تھا، وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا، کیوں نہیں۔ اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا

(سورۃ الانشقاق۔آیات:۱۰۔۱۵)

اس کے بعد ہر شخص کے اعمال ناموں کا ان ترازوؤں میں وزن کیا جائے گا جو اللہ نے روزِ قیامت کیلئے تیار کر رکھے ہیں۔ کسی سے ذرہ بھر نا انصافی بھی نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی پرہیز گار نہیں ہوگا تو اُس کے اعمال نامہ کا پلڑا ہلکا ہوگا اور اُسے مجرم قرار دیکر گرفتار کر لیا جائے گا اور اُس جگہ بھیج دیا جائے گا جس کا وہ حقدار ہوگا۔ اُس روز کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا، بلکہ اُس روز تو کوئی اپنی مدد آپ کرنے کے قابل بھی نہیں ہوگا۔ اس لاچاری کا تکلیف دہ احساس انسان کے پورے وجود کو لپیٹ میں لے لیگا:

☆...... ”اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے، تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کیا معلوم ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ۔“ (سورۃ القارعۃ۔آیات:۸۔۱۱)

اُس روز جن لوگوں نے دنیا میں اللہ سے ڈرے بغیر زندگی گزاری ہوگی، اُن کے تمام گناہوں کو بیک وقت اُن کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا۔ نہ صرف وہ بداعمال جو اُنہوں نے کیئے ہوں گے بلکہ وہ تمام برے اعمال بھی جن کی اُنہوں نے کبھی خواہش کی ہوگی، اُن کے سامنے آ کھڑے ہوں گے۔ جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس غم سے جو اُن پر طاری ہوگا نجات کیلئے کچھ نہیں کر پائیں گے، حتیٰ کہ ان بداعمال سے انکار بھی ممکن نہیں ہوگا کیونکہ ان کے کان، کھال اور دیگر تمام اعضاء بھی اُن کے خلاف گواہی دیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے:

☆...... ”(عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کرینگے کفار کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔“ (سورۃ الحجر۔آیت:۲)

ایمان والے جو خوف محسوس کرتے ہیں وہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ محتاط ہو کر پرہیز گارانہ زندگی بسر کرتے رہیں کیونکہ وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ اُس

روز (روزِ قیامت) اللہ کی آیت سچ بن کر سامنے آ جائے گی۔ اسی وجہ سے ضروری ہے کہ انسان جب تک اس دنیا میں رہے، تو کوئی ایسا کام نہ کرے جس کیلئے وہ قابل قبول عذر پیش نہ کر سکے۔ حقیقت میں یہ ناقابل فہم ہے کہ کوئی عقل فہم رکھنے والا شخص اس کے برخلاف زندگی بسر کرے۔ اللہ کا علم ہر جگہ موجود ہے اور ہر شے کو اپنی لپیٹ اور قدرت میں لئے ہوئے ہے۔ وہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور اس کے مقرر کردہ خاص فرشتے معمولی سے معمولی تفصیل سمیت ہر چیز کو لکھتے جا رہے ہیں۔ انسان کیلئے روزِ آخرت کو بھلا کر دنیا کے بے وقعت اور ناپائدار معاملات میں اُلجھا رہنا سب سے بڑی بیوقوفی ہے۔

صبح سویرے جب ہم اپنی آنکھیں کھول کر بیدار ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ نے ہمیں ایک نیا دن اور ایک اور موقع عطا کیا ہے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک روز ہمیں اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے، اور نیک اعمال کی مخلصانہ سوچوں کے ساتھ اپنے دن کا آغاز کرنا چاہیے۔ ہماری سوچ یہ ہونی چاہیے کہ ان اعمال اور ایسے طرز عمل سے خود کو بچائے رکھیں جو اللہ کو پسند نہیں۔ کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ جب وہ لمحہ آ پہنچے تو وہ اُن لوگوں میں شامل ہو جنہیں مجرم قرار دیکر کبھی نہ ختم ہونے والے عذاب کی طرف بھیج دیا جائے اور وہ چلا رہا ہو "اے کاش......" اور "کاش ایسا ہو سکتا......"

☆...... "اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ دھوکہ دے تمہیں دنیوی زندگی اور نہ فریب میں مبتلا کرے تمہیں اللہ سے، وہ بڑا مکار دھوکہ باز۔"

(سورہ لقمان۔ آیت:۳۳)

خوفِ خدا رکھنے والے انسان کی اخلاقی صفات کیا ہیں؟

☆...... ''اے اولادِ آدم! بیشک اُتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس، وہ سب سے بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔'' (سورۃ الاعراف۔آیت:۲۶)

قرآن کی بے شمار آیات میں اُن سچے مومنوں کے رویئے اور طرزِ عمل کی مثالیں پیش کی گئی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ان آیات مبارکہ کی روشنی میں اللہ سے ڈرنے والوں کے بنیادی اوصاف ذیل میں بیان کئے جا رہے ہیں۔

وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں:

اس آیت قرآنی کی روشنی میں کہ ''وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے اور وہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں''۔

(سورۃ البقرہ۔آیت:۵۰)

حقیقی مسلمان اللہ کے سوا کسی بھی شخص یا چیز سے نہیں ڈرتا۔ سچا مومن جانتا ہے کہ نفع اور نقصان، اچھا یا برا صرف اللہ ہی کی طرف سے آ سکتا ہے اور یہ کہ اُسے جن حالات کا بھی سامنا کرنا پڑے وہ صرف اللہ کی ہی مرضی سے ممکن، اُسی کے پیدا کردہ اور اس کی قسمت میں پہلے سے اللہ کی طرف سے طے شدہ ہیں۔

اس خاص وصف کو تمام انبیائے کرام کی سیرت میں دیکھا جا سکتا ہے جنہوں نے

اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے ہوئے پوری قوم کی مخالفت کے باوجود بھی ذرہ برابر لغزش نہ دکھائی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اس وصف کو درج ذیل آیت مبارکہ میں بیان فرماتا ہے:

☆...... ''اللہ کے پیغمبر وہ ہیں جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں، وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔'' (سورۃ الاحزاب۔ آیت:۳۹)

جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ کے نبیوں کی اس صفت سے سبق سیکھے گا اور اس پر عمل پیرا ہو گا۔

وہ صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے کوشاں رہتے ہیں

ایک سچا مسلمان اپنی زندگی یہ جانتے ہوئے گزارتا ہے کہ اللہ ہر شے کا فیصلہ کرنے والا ہے، اور یہ کہ وہ (اللہ) قوت اور طاقت کا سرچشمہ ہے، اور ہر چیز اُسی کی مرضی سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اسی لیے مومنین جانتے ہیں کہ اُس مخلوق کی رضا تلاش کرنا جو حقیقتاً کوئی طاقت یا قوت نہیں رکھتی، قطعی بیکار ہے۔ اس دنیا میں اللہ پاک سے ڈرنا اور اس کی خوشنودی و رضا تلاش کرنا آخرت میں خوفناک عذاب سے محفوظ رہنے کا سبب بنے گا۔

☆...... ''تو کیا جس نے پیروی کی رضائے الٰہی کی، اس طرح ہو سکتا ہے جو حقدار بن گیا ہے اللہ کی ناراضگی کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔''

(سورۃ آل عمران۔ آیت:۱۶۲)

وہ وقت یقیناً آئے گا جب چھوٹے بڑے تمام اعمال سامنے لائے جائیں گے اور انسان کے ہاتھ' اس کی جلد اور دوسرے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ ایک حقیقی مسلمان اس حقیقت کی روشنی میں زندگی بسر کرتا ہے اور کبھی بھی حالات سے سمجھوتہ نہیں کرتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا طرز عمل اس حوالے سے ایک بہت ہی اعلیٰ مثال

ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک طاقتور عورت کے سامنے جو انہیں پسند کرتی تھی، اپنی پاکدامنی و پارسائی برقرار رکھی۔ اُس عورت کی تمام تر دھمکیوں اور سازشوں کے باوجود اُنہوں نے اللہ کی حدود پار کرنے کی بجائے جیل جانے کو ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کی اعلیٰ بلندی کے بارے میں یوں بتاتا ہے:

☆...... "زلیخا (فاتحانہ انداز میں) بولی، یہ ہے وہ (پیکر رعنائی) جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں۔ بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ بچا ہی رہا اور اگر وہ نہ بجالایا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے قید کر دیا جائے گا اور وہ ہو جائے گا ان لوگوں سے جو بے آبرو ہیں۔ یوسف نے عرض کی، اے میرے پروردگار! قید خانہ (کی صعوبتیں) مجھے زیادہ پسند ہیں اس (گناہ) سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی عنایت سے) نہ دور کرے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور بن جاؤں گا نادانوں سے۔"

(سورہ یوسف: آیات: ۳۲۔۳۳)

وہ ہمیشہ ایمانداری سے پیش آتے ہیں:

ایک ایسا شخص جو حقیقتاً اللہ کا فرمانبردار بندہ ہو وہ کبھی بھی اپنی ذاتی ضروریات اور خواہشوں کو اپنے مالک کی توقعات سے بڑھ کر عزیز نہیں رکھ سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ اگر اُس نے یہ جانتے ہوئے بھی ایسا کیا تو وہ اس دنیا میں اور آخرت میں بھی خود کو اللہ کے غضب کا نشانہ بنا لے گا۔ جب تک وہ اس خطرے سے پوری طرح ڈرتا رہے گا وہ اس طرح کا طرز عمل اختیار کرنے سے بچا رہے گا جو اُسے اس حالت کی طرف لے جائے جس کا ذکر درج ذیل آیات مبارکہ میں آیا ہے:

☆...... ''بلکہ پیروی کرتے رہے ظالم اپنی (نفسانی) خواہشات کی بغیر کسی دلیل کے، پس کون ہدایت دے سکتا ہے جسے (پیہم نافرمانی کے باعث) اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے۔ اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔'' (سورۃ الروم۔آیت:۲۹)

☆...... ''ذرا اس کی طرف تو دیکھ جس نے بنالیا ہے اپنا خدا، اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ، پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے بعد۔ (لوگو!) کیا تم غور نہیں کرتے۔'' (سورۃ الجاثیۃ۔آیت:۲۳)

وہ قرآن میں بیان کردہ نیک صفات کی تقلید کرتے ہیں:

اللہ سے ڈرنے والا شخص ایسی صفات کا مظاہرہ کرے گا جو اچھے کردار کو ظاہر کرتی ہیں جیسے کہ مخلصی، وفاداری، پرہیزگاری، ایمانداری، تابعداری وغیرہ۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ ایسے سچے مومنوں کا ذکر ملتا ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا مظاہر کرتے رہے۔ یہ صفات دراصل نسل انسانی کیلئے وہ اخلاقی نمونے ہیں جنہیں ہر اہل ایمان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاہم جب تک کوئی شخص اللہ سے نہیں ڈرتا، وہ کبھی بھی ان صفات کی اہمیت کو دل سے تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ جب کبھی بھی ان کے ذاتی مفادات کا معاملہ درپیش ہوا وہ قرآن میں بیان کئے گئے بہترین کردار کا مظاہرہ کرنے کی بجائے فوراً اپنے وقتی فائدے کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ وہ اللہ کو ناراض کرنے سے پیدا ہونیوالی پریشانی یا اُس کے سامنے جوابدہ ہونے یا جہنم میں داخل کئے جانے اور اپنے برے کردار کے نتائج کو محسوس ہی نہیں کر پاتے حالانکہ ان باتوں کا احساس ہی انسان کو بہتر کردار اختیار کرنے کی طرف مائل رکھتا ہے۔

وہ تنہائی میں بھی اللہ کی حدود کا خیال رکھتے ہیں:

کوئی بھی شخص جو اللہ سے اچھی طرح واقف ہے وہ کوئی بھی ایسا کام کرنے سے ڈرے گا جو اُس (اللہ) کی ناراضگی کا سبب بن جائے خواہ اُس کے پاس کوئی دوسرا موجود ہو یا نہ ہو...... کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ جو بھی برا کام کرے گا اللہ اُسے جانتا ہو گا، خواہ وہ یہ کام کھلے عام کرے یا چھپ کر۔ اللہ کھلے عام کئے گئے اعمال سے بھی واقف ہے اور تنہائی میں کئے گئے اعمال سے بھی۔ قیامت کے دن وہ (اللہ) بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے تمام رازوں کو آشکار کر دے گا اور انسان کو ان کیلئے اُس (اللہ) کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ اُنہیں ایسے حالات میں مبتلا کرے گا جن سے اُن کی ایمانداری کی پختگی کا امتحان لیا جا سکے۔ اپنی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ہدایت فرماتا ہے:

☆...... ''اور ترک کر دو ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے کو، بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ (تو) جلد ہی سزا دی جائے گی انہیں (اس گناہ کی) جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔''

(سورۃ الانعام۔ آیت:۱۲۱)

ہر حال میں وہ اللہ سے رجوع کرتے ہیں

حقیقی مسلمان جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں وہ اُس (اللہ) کی طرف سے بدلہ (صلہ) ملنے کے بارے میں بے حد فکر مند رہتے ہیں۔ جب بھی انہیں کسی منفی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا جب کبھی بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ اُن کا کام برا جا رہا ہے، یا جب بھی وہ تنگ دستی محسوس کرتے ہیں...... تو وہ فوراً اپنا محاسبہ کرتے ہیں کہ کہیں اُن سے کوئی ایسی خطا تو سرزد نہیں ہو گئی جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بن گئی ہو۔ وہ التجائیہ انداز میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اللہ کی ناراضگی کے خوف سے جو ڈر وہ محسوس کرتے ہیں وہ اُن

کی اللہ کی رضا کے حصول کی آرزو کے ساتھ مل کر انہیں ایک اعلیٰ و ارفع مقام پر لے جاتا ہے۔

اس ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام کا طرز عمل بے حد زبردست مثال ہے۔ قرآن میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے اللہ تعالیٰ کیلئے دلی احترام و محبت کے اظہار کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:

☆...... ''اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقان مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر، پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے۔ اُنہوں نے کہا، ڈریئے نہیں، ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں، زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ۔ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اور اس کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے، اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دُنبی کو اپنی دُنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں اور (دل و جان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس ہم نے بخش دی اُن کی یہ تقصیر۔ اور بیشک ان کیلئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور

خوبصورت انجام ہے" (سورہ ص: آیات: ۲۱۔۲۵)

اگر چہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ انصاف پر مبنی تھا اور اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا، پھر بھی انہیں (حضرت داؤد علیہ السلام) نے اللہ کی ناراضگی سے ڈرتے ہوئے اُس (اللہ) سے رجوع کیا اور اللہ سے رحم طلب کیا۔ اس طرح کے اندرونی خوف کی عظمت کو جھٹلانا ممکن نہیں جو انتہائی خالص اور مخلصانہ ہے ایسی آگاہی صرف اُنہی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کو اُسی طرح پہچانتے ہیں جیسے کہ اُسے پہچاننے کا حق ہے اور جو اُس (اللہ) کیلئے اپنے پیار اور ڈر کی وجہ سے اُس (اللہ) کی رضا کھودینے سے ڈرتے ہیں۔

جب ہم اللہ کے نبیوں اور سچے مومنوں کے کردار پر غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ سب ایسے فرمانبردار ہیں جو اللہ سے احتراماً ڈرتے ہیں اور جو اُس کے عذاب سے بچنے کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔ تاہم، اس کے ساتھ ساتھ، اس خوف کے پیچھے اُن کا دلی پیار اور دوستی بھی موجود ہوتی ہے۔ اللہ کی مستقل اور مسلسل حمد اور عظمت بیان کرتے رہنا دراصل اُن کے اللہ سے مکمل پیار اور اُس (اللہ) سے وابستگی کا اظہار ہے۔

خوفِ الٰہی سے حاصل ہونے والے اوصاف

اللہ کے نزدیک بلند مقام:

☆...... ”تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے۔“

(سورۃ الحجرات۔ آیت:۱۳)

بلاشبہ اللہ کی قربت حاصل کرنے والا شخص اس مقام تک ، اللہ کو حقیقی طور پر پہچاننے اپنے نیک اعمال، قرآن کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے ، اپنے اعلیٰ کردار اور ایمان کی پختگی کے باعث ہی پہنچے گا۔ اللہ کے خوف سے آگاہی کے بغیر کوئی شخص کردار اور اخلاق کی یہ صفات حاصل نہیں کرسکتا۔ چنانچہ کسی شخص کے دل میں اللہ کے خوف کا درجہ ہی اللہ کے نزدیک اُس کے مقام کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

صحیح اور غلط کا فرق سمجھنے کی صلاحیت:

☆...... ”اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کردے گا تم میں حق و باطل کی تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ بڑے فضل (و کرم) والا ہے۔“ (سورۃ الانفال۔ آیت:۲۹)

صحیح اور غلط میں تمیز کی صلاحیت اور اس کی وجہ سے حاصل ہونے والی فہم و فراست دراصل اس دنیا میں کسی بھی مومن کو ملنے والی عظیم اور اعلیٰ ترین نعمتیں ہیں۔

اگر کسی کو صحیح اور غلط یا نیکی اور بدی کا فرق سمجھنے کی صلاحیت حاصل ہو جائے تو اس کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ، اُس کا ہر طرز عمل، اُس کا ہر فیصلہ اور ہر ردِ عمل...... بصیرت سے بھرپور اور صحیح ہوگا۔ چونکہ اللہ سے ڈرنے والا شخص فوراً صحیح اور غلط کا فرق سمجھ سکتا ہے' اس لئے وہ جو بھی کرے گا۔ اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کرے گا کہ اللہ کے نزدیک کونسا عمل مقبول اور پسندیدہ ہے۔ وہ تذبذب، غیر یقینی، تامل، اُلجھن یا پریشانی کا شکار نہیں ہوگا، جبکہ اس کے بالکل برعکس جن لوگوں کو صحیح اور غلط میں تمیز کی صلاحیت حاصل نہیں ان کا انجام تباہی و بربادی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اللہ کی رحمت سے دوگنا اجر:

☆...... ''اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر، اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔'' (سورۃ الحدید۔ آیت: ۲۸)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے اُن تمام بندوں سے جو اُس سے ڈرتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں، وعدہ فرماتا ہے کہ اُن کی زندگیوں کو دین و دنیا کی نعمتوں سے بھر دے گا، جیسے کہ قرآن کی اس آیت میں واضح کیا گیا ہے:

☆...... ''......راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے۔'' (سورۃ المائدۃ۔ آیت: ۱۱۹)

ایک سچے مسلمان کیلئے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز اہم نہیں ہو سکتی کہ اللہ اُس پر اپنی رحمت کا سایہ کئے رکھے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس دنیا میں اللہ ہمیں جتنی بھی خوشی، مال و دولت

نعمتیں، آرام اور تحفظ عطا کر دے مگر آخرت میں خوف خدا رکھنے والے اُس (اللہ) کی کبھی نہ ختم ہونے والی رحمت سے فیض یاب ہوں گے اور انہیں وہ عظیم نعمتیں عطا ہوں گی جن کا دنیاوی نعمتوں سے کسی طور پر بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

شرف قبولیت پانے والی عبادت:

☆...... ''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر، دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک۔ جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے (اس دوسرے نے کہا قسم ہے میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا (تو بلا وجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے۔'' (سورۃ المائدۃ۔آیات:۲۷)

اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند فرماتے ہیں کہ اللہ اُسی کی قربانی قبول فرماتا ہے جو اُس سے ڈرتا ہے۔ جو شخص اللہ کا خوف نہیں رکھتا وہ اصل میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کو صحیح طور پر پہچاننے کے قابل نہیں ہوتا اور وہ اُس احترام کو محسوس نہیں کر پاتا جو اُسے اللہ پاک کیلئے محسوس کرنا چاہیے۔ چنانچہ اللہ کے وجود کے بارے میں غیر یقینی عقیدہ اور اس کے نتیجے میں اخلاق و کردار کی واضح بدعنوانیوں کے باعث ایسے لوگوں کی کوششوں کی اللہ کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہر چیز سے زیادہ اس بات کو اہم قرار دیتا ہے کہ کسی شخص کا کردار رضائے الٰہی کی جستجو اور اللہ کے خوف کی آگاہی پر استوار ہو۔ اللہ کے بتائے اس اصول کو جھٹلانے والے کسی بھی دوسرے طریقے کا انجام بلاشبہ مایوسی ہی ہوگا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

☆...... ''تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ پر اور (اس کی) رضا جوئی پر، بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے کنارے پر جو گرنے والا ہے، پس وہ

گر پڑا اسے لیکر دوزخ کی آگ میں اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم قوم کو۔" (سورۃ التوبہ۔ آیت:۱۰۹)

یہ قطعی ناممکن ہے کہ جو لوگ اللہ کے ڈر سے آگاہی نہیں رکھتے اور جن کا کردار شرمناک ہے، اُن کی عبادت اتنی مخلصانہ اور پر خلوص ہو جتنی کہ اُسے ہونا چاہیے۔ ایسے لوگوں کے ہر عمل یا عبادت میں، دکھاوے دوسروں کو متاثر کرنے یا خود کو دوسروں سے اچھا ثابت کرنے کی خواہش کارفرما ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنی ساری زندگی میں جو کچھ بھی کریں، اُس کی کوئی اوقات نہیں ہوگی جب تک وہ حقیقی طور پر اللہ سے رجوع کر کے اپنے طرز عمل کو تبدیل نہ کرلیں۔

معاملات میں آسانی:

☆...... "اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روزِ قیامت) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا۔"

(سورۃ الطلاق۔ آیات:۴)

اللہ پاک اُن سچے ایمان والوں کو جو اُس (اللہ) کی ناراضگی سے بچتے اور اُس (اللہ) کی مقرر کردہ حدود کا خیال رکھتے ہیں، اپنی رحمت' پناہ اور مدد سے نوازے گا۔ وہ اُن کے ہر ارادے کیلئے راہیں کھول دے گا۔ ایک اور قرآنی آیت کے الفاظ میں "اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کیلئے اس آسان (شریعت) پر عمل۔" (سورۃ الاعلیٰ۔ آیت:۸) اللہ اپنے بندوں کیلئے ہر طرح سے معاملات کو آسان بنا دے گا، دنیاوی طور پر بھی اور دینی طور پر بھی۔

اللہ مشکل میں راہ فراہم کرتا ہے:

☆...... "اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کیلئے نجات کا راستہ۔" (سورۃ الطلاق۔ آیت:۲)

اللہ کے نیک اور پرہیزگار بندوں کیلئے کوئی بھی صورتحال ایسی نہیں ہوتی جس کا

کوئی حل نہ ہو یا جس پر غالب نہ آیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے وہ مشکل پر اپنی عقل اور سمجھ استعمال کر کے قابو پا سکتے ہیں جو اُسی (اللہ) نے انہیں عطا کی ہے۔ یہاں تک کہ بظاہر انتہائی پیچیدہ نظر آنے والی صورتوں میں بھی اللہ پاک بالآخر انہیں کوئی نہ کوئی راستہ دکھا دے گا اور جب بھی اُنہیں مشکلات پیش آئیں گی، وہ خود کو تنہا نہیں پائیں گے۔ یہ ایمان والوں سے اللہ کا وعدہ ہے۔

اللہ ان کی غلطیوں کو مٹاتا انہیں معاف فرماتا اور ان کے اجر کو دوگنا کر دیتا ہے:

☆...... ”یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روزِ حساب) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا۔“

(سورۃ الطلاق۔ آیت: ۵)

مرنے کے بعد جب لوگوں کو اعمال کے حساب کیلئے بلایا جائے گا تو ایمان والوں کیلئے حساب کا یہ عمل آسان ہوگا۔ یہ اس لیے کہ ایمان والوں نے زمین پر اللہ کی ہدایات کی روشنی میں زندگی گزاری ہوگی جس نے اُنہیں تخلیق کیا۔ یقیناً اُن سے بھی غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ ہوسکتا ہے ان سے گناہ بھی سرزد ہو گئے ہوں مگر اللہ تعالیٰ جو لامحدود رحمت کا مالک ہے، قرآن میں فرماتا ہے کہ وہ (اللہ) انہیں معاف فرما دے گا:

☆...... ”آپ فرمائیے، اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو، بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“ (سورۃ الزمر۔ آیت: ۵۳)

چنانچہ، وہ لوگ جنہیں اللہ نے معاف فرما دیا ہے، انہیں آخرت میں اپنے اعمال کے بدلے اس سے بھی بڑھ کر اجر ملے گا: اُنہیں ایسے باغ میں داخل کیا جائے گا جو ان گنت

نعمتوں سے بھرا ہوگا۔

اللہ کی عظیم رحمت سچے مومنوں کو اس دنیا میں بھی فیضیاب کرے گی۔ ان کی پرہیزگاری، اللہ سے مضبوط تعلق اور نیک اعمال کی وجہ سے اُن کے مخلصانہ اور عاجزانہ کردار کا اجر کئی گنا بڑھا دیا جائے گا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صرف اس زندگی ہی کے عوض اُن پر اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری واجب ہے، جو اُس (اللہ) نے اُنہیں اپنی دیگر بے شمار نعمتوں کے ساتھ عطا کی ہے، اللہ اپنی وسیع رحمت کی وجہ سے اُنہیں (سچے مومنوں کو) ان کے اعمال اور اللہ سے ڈرتے رہنے کے صلہ میں ناقابل مثال رحم اور فیض سے نوازے جانے کا مستحق قرار دیتا ہے۔

اللہ کا خوف رکھنے والوں کا انعام!

اُنہیں دنیا میں خوش خبریاں دی جاتی ہیں:

درج ذیل آیات قرآنی کی روشنی میں ہم دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے زمین پر اللہ سے ڈرے بغیر زندگی گزاری اُنہیں کس قدر نا قابل بیان خوف اور اللہ کی دہلا دینے والی پکڑ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دوسری طرف جو لوگ اللہ سے ڈرتے اور پرہیز گار رہیں وہ بالکل برعکس طور پر، آخرت میں ہر طرح کے خوف سے پوری طرح محفوظ ہوں گے اور اللہ کی رحمت اور حفاظت میں اپنی ابدی زندگی جئیں گے۔ وہ سچے اہل ایمان، جنہوں نے اپنی ساری زندگی جہنم کی آگ کا گہرا ادراک کرتے ہوئے پرہیز گاری میں گزاری، قیامت کا دن آنے پر ایسے مومنوں کو ہر طرح کے خوف سے دور کر دیا جائے گا اور وہ بالکل محفوظ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یہ خوش خبریاں بیان فرماتا ہے اور روزِ قیامت وہ (اللہ) اپنے بندوں سے مخاطب ہوگا اور اُن کیلئے بہت سی اور خوش خبریوں کا اعلان فرمائے گا:

☆...... ”اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم (آج) غمزدہ ہو گے۔ (یعنی) وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے۔ (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی، گردش میں ہوں گے ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے اور یہی

وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث
جو تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے لیے یہاں بکثرت پھل ہیں، ان میں
سے کھاؤ گے (جو جی چاہے۔)''

(سورۃ الزخرف۔ آیات: ۶۸۔۷۳)

کچھ دیگر قرآنی آیات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خوش خبریاں اپنے فرشتوں کے ذریعے بھی دے گا، جو بلاشبہ اہل ایمان کیلئے ناقابل بیان خوشی کا باعث ہوں گی جو بے حد شدت سے جنت کی اُمید کرتے ہیں۔

قرآن پاک اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ خوش خبریاں جو ہمیشہ کیلئے اور اچھائیوں سے بھری ہوں گی، اُنہی لوگوں کو حاصل ہوں گی جو زمین پر سچا ایمان رکھتے تھے۔

ایک خوبصورت زندگی:

جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اُس (اللہ) کا خوف نہیں رکھتے اور جو پرہیز گاری اختیار نہیں کرتے...... اُن کی زندگیاں، اس رحمت اور نعمتوں سے عاری ہوں گی جو ایمان والوں کیلئے مخصوص کی گئی ہیں:

☆...... ''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی، لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے اُنہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (سورۃ الاعراف۔ آیت: ۹۶)

تاہم جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اُس کا خوف رکھتے ہوئے اور اچھے کردار کا مظاہرہ کیا، اُنہیں مرنے کے بعد جنت کی زندگی عطا کر کے خوش خبریاں دی جائیں گی اور اس دنیا میں بھی اللہ کی رحمت اور کرم سے بہترین طور پر نوازا جائے گا۔

☆...... ''جو بھی نیک کام کرے، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم

اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔" (سورۃ النحل۔آیت:۹۷)

جیسے منکرین کے عذاب کی ابتداء اس دنیا میں ہی ہو جاتی ہے اسی طرح پرہیزگار اور سچے مومنوں سے کبھی نہ ختم ہونے والی بھلائی کے وعدے پر عملدرآمد بھی یہیں شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ نعمتوں کی فراوانی اور خوبصورتی، جنت کے اہم اوصاف میں سے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے عزیز اور فرمانبردار بندوں کو دنیا میں بھی ان نعمتوں کا مزہ چکھائے گا تا کہ اُن کے دلوں میں جنت کی خواہش اور طلب زیادہ بڑھے۔

اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ مومنوں کو، اس دنیا میں پریشانیوں اور مایوسی سے بھی محفوظ رکھے گا کیونکہ وہ اللہ کے احکامات اور پابندیوں کا خیال رکھتے رہے، اپنی زندگیاں اللہ کی پیروی کرتے گزاریں، سب سے بڑھ کر ہمیشہ اللہ پر بھروسہ کرتے اور صبر سے کام لیتے رہے اور آخرت کی فکر میں مبتلا ہے۔ مایوسی کے بجائے اللہ اُن کے دلوں کو امن اور سلامتی کے احساس سے بھر دے گا۔ نیکی اور عبادت کے ہر چھوٹے بڑے کام میں اُنہیں پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ پاک اُنہیں دیکھ رہا ہے اور نگراں فرشتے اُن کے ہر عمل کو کتاب میں لکھتے جا رہے ہیں، چنانچہ وہ ایک خاص قسم کا سکون محسوس کرتے ہیں جو اس بات کو جاننے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے کہ آخرت میں اُنہیں ہر اچھے عمل کا بھرپور اجر ملے گا۔

دوسری طرف یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ ظاہر ہے ایک سچے مومن کو کئی بار انتہائی مشکل اور سخت حالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ تاہم کیسی بھی صورتحال ہو...... اللہ سے ڈرنے والے سچے مومن کیلئے یہ مشکلات بھی رحمت اور انعام بن جاتی ہیں۔ اس بات کی ایک بہت اچھی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ جن پر جھوٹا ہونے کا الزام لگایا گیا اور اُن کی قوم اُنہیں آگ میں پھینکنے والی تھی مگر اس کے باوجود حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایمان پر سمجھوتہ کیا اور نہ ہی اللہ پر بھروسہ میں لغزش دکھائی۔

بلاشبہ زندہ جلائے جانا ایک خوفناک سزا ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاملے میں اللہ پاک نے آگ کو حکم دیا کہ وہ اُن (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کیلئے ٹھنڈی ہو جائے اور سلامتی بن جائے، چنانچہ آگ نے انہیں (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کو کوئی تکلیف یا گزند نہ پہنچائی۔ مایوسی، نقصان یا پریشانی دراصل ایسی سزا ہے جو کسی شخص کے غلط اعمال یا برے کردار کی وجہ سے واقع ہوتی ہے:

☆...... ''اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہے......'' (سورۃ الشوریٰ۔آیت:۳۰)

ورنہ ایک مخلص ایمان والے کیلئے جو ہر ممکن حد تک اللہ سے ڈرتا ہے اور اپنے طرز عمل میں اللہ کی رضا کا خیال رکھتا ہے، ایسی سزا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس دنیا میں ایمان والوں پر جو سختیاں آتی ہیں وہ دراصل ان کا امتحان ہوتا ہے جو صرف اُن کے دلوں میں اللہ کا احترام اور خوف بڑھاتی اور جنت کی آرزو کو جلا بخشتی ہیں۔ حقیقی مومن جانتا ہے کہ مشکلات اور سختیاں اُسے آزمانے اور سبق سیکھانے کیلئے تخلیق کی گئی ہیں، اور دراصل اس کیلئے اچھے کردار اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے کا موقع ہوتی ہیں...... اور جب تک وہ اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے یہ سختیاں اور مشکلات اُس کیلئے آخرت کے اجر کا موقع بھی ہیں۔ قرآن پاک واضح کرتا ہے کہ آخرت میں اجر کے ان مواقع کو دیکھنے کی صلاحیت اُن لوگوں کا وصف ہے جو سچا ایمان رکھتے اور اللہ کے ڈر سے آگاہ ہیں:

☆...... ''(اور یونہی) پوچھا گیا ان سے جو متقی تھے کہ وہ کیا ہے جو اتارا تمہارے رب نے؟ انہوں نے کہا (سراپا) خیر! جنہوں نے اچھے کام کیے اس دنیا میں بھی ان کے لیے بھلائی ہے اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لیے) بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے پرہیز گاروں کا

گھر۔" (سورۃ النحل۔آیت:۳۰)

ایک سچا مومن جو دنیا میں صراط مستقیم پر چلتا رہا، اُس کی موت اچھی اور آسان ہو گی، اُس کی حیات بعداز موت کا آغاز فرشتوں کے خوش آمدید کہنے سے ہوگا، اور اس کے بعد اُسے وہ آرام اور آسانیاں ملیں گی جو ہر سچے مسلمان کا انتظار کر رہی ہیں۔

آسان حساب:

سچے اہل ایمان آخرت میں سخت حساب کتاب کے خوف سے اپنی ساری زندگی نیک اعمال کیلئے کوشاں رہیں گے۔ وہ اللہ کی حدود پر سختی سے کاربند رہیں گے۔

چنانچہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے چہرے روشن کر دے گا جو اُس سے ڈرتے رہے اور اُن لوگوں کے اعمال حساب بھی آسان ہوگا۔ اُنہیں اُن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا اور جس حساب سے وہ ڈرتے رہے اُسے آسان بنا دیا جائے گا:

☆...... پس جس کو دیا گیا اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا اور واپس لوٹے گا اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں۔" (سورۃ الانشقاق۔آیات:۷۔۹)

جب حساب کتاب مکمل ہو جائے گا تو سچے مسلمان جہنم کے عذاب سے بچنے پر بے حد خوش ہوں گے۔ جیسا کہ درج بالا آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے پیاروں کے پاس خوشی خوشی واپس آئیں گے۔

جنت کی ابدی زندگی:

☆...... "لیکن وہ جو ڈرتے رہے اپنے رب سے اُن کے لیے باغ ہوں گے، رواں ہوں گی ان کے نیچے ندیاں (وہ متقی) ہمیشہ رہیں گے ان میں، یہ تو مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ بہت بہتر ہیں نیکوں کیلئے۔"

(سورۃ آل عمران۔آیت:۱۹۸)

☆...... ''اس جنت کی کیفیت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے ایسی ہے کہ رواں ہیں اس کے نیچے ندیاں۔اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا سایہ بھی نہیں ڈھلتا، یہ انجام ہے اُن کا جو (اپنے رب سے) ڈرتے رہے اور کفار کا انجام آگ ہے۔''

(سورۃ الرعد۔آیت:۳۵)

ایسے اہل ایمان جو جہنم کے ابدی عذاب کا سامنا کرنے سے ڈرتے اور اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں، اُنہیں اللہ کے وعدے کے مطابق اُن لوگوں کا سا انعام۔ملے گا جو اللہ سے ڈرنے والے اور پرہیزگار ہیں اور اُنہیں اُن کے ابدی ٹھکانے (جنت) میں بھیج دیا جائے گا۔

☆...... ''اور لے جایا جائے گا اُنہیں جو ڈرتے رہے تھے (عمر بھر) اپنے رب سے، جنت کی طرف گروہ در گروہ، حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہونگے تو کہیں گے اُنہیں جنت کے محافظ تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ کے لیے اور وہ (خوش بخت) کہیں گے ساری تعریفیں اس اللہ (کریم) کے لیے جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس (پاک) زمین کا۔اب ہم ٹھہریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے۔پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا۔'' (سورۃ الزمر۔آیات:۷۳۔۷۴)

اُن سچے مسلمانوں کے لیے جو جنت میں داخل ہوں گے، دیگر سب چیزوں سے زیادہ خوش کن اور باعث مسرت بات اللہ کی طرف سے مخاطب کیے جانے کا شرف ہوگا۔

☆...... ''تم سلامت رہو! (انہیں) یہ کہا جائے گا اپنے رب رحیم کی طرف سے۔'' (سورہ یٰسین۔ آیت: ۵۸)

اللہ تعالیٰ جنت میں سچے اہل ایمان سے یوں خطاب فرمائے گا:

☆...... ''اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم (آج) غمزدہ ہو گے۔'' (سورۃ الزخرف۔ آیت: ۶۸)

اللہ پاک جس نے نسل انسانی کو تخلیق کیا وہ (اللہ) ہم سے بھی زیادہ جانتا ہے کہ ہمیں اُس (اللہ) پر یقین رکھنے کے انعام میں کیا چیز سب سے زیادہ خوشی دے گی، اور ایسی ہی بے شمار چیزیں اہل ایمان کا جنت میں انتظار کر رہی ہیں۔ چنانچہ جنت کی خوش کن نعمتیں اور حیرت انگیز کرشمے انسانی تصور سے باہر ہیں۔ ایسی بے شمار نعمتیں ایمان والوں کو دی جائیں گی جنہیں کبھی کسی آنکھ نے دیکھا ہو گا اور نہ کان نے سنا۔ اپنی باقی تمام زندگی اہل ایمان کو ہر شے اُن کی خواہش کے عین مطابق ملے گی۔

☆...... ''انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے۔ یہی بڑا فضل ہے۔'' (سورۃ الشوریٰ۔ آیت: ۲۲)

قرآن پاک میں اہل ایمان کی جنت کی ابدی حیات کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے، اُن کی قیام گاہ، ہمسفر، ماحول کی خوبصورتی، خوراک اور وہ دیگر بے شمار خوشیاں جو اُن کا انتظار کر رہی ہیں۔ قرآن نے اُن کی تفصیل بیان فرما دی ہے۔

قرآن پاک کی ایک آیت مبارکہ میں اللہ کا خوف رکھنے والوں کی ابدی زندگی کا موازنہ اُن لوگوں کے دردناک انجام سے کیا گیا ہے جو اللہ سے نہیں ڈرتے:

☆...... ''احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت

بخش ہے پینے والوں کیلئے۔ اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے۔ اور ان کیلئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور (مزید براں ان کیلئے) بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے۔ (سوچو!) کیا یہ ان کی مانند ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور کاٹ دیگا ان کی آنتوں کو۔" (سورہ محمد۔ آیت: ۱۵)

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جو شخص عقل سمجھ رکھتا اور حقیقت پسند ہے، اُسے صرف اپنے اردگرد حقائق پر صرف ایک لمحہ غور کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اپنے اندر اُمید اور اللہ کے خوف کو گامزن پائے گا۔

سب سے بڑا انعام: اللہ کی دائمی رضا

☆...... "وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں سے باغات کا، رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں۔ یہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ مکانات کا سدا بہار باغوں میں اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے یہی تو بڑی کامیابی ہے۔"

(سورۃ التوبۃ۔ آیت: ۷۲)

اہل ایمان کیلئے جنت میں داخل ہونے پر عظیم روحانی مسرت کا باعث اس حقیقت کا احساس ہوگا کہ اس لمحے سے اللہ اُن سے راضی ہے، وہ اُن سے پیار کرتا ہے، و[illegible] کبھی اُنہیں سزا نہیں دے گا اور وہ ہمیشہ کے لیے اللہ کے دوست رہیں گے۔ اللہ کی رضا حاصل ہو جانے سے ملنے والی خوشی اور لطف کا احساس، دنیا کی کسی بھی مسرت سے کئی گنا زیادہ عظیم ہوگا۔ اللہ کی رضا، جنت کی نعمتوں کو حتمی لذت عطا کر دے گی، اگرچہ جنت کی نعمتیں ازخود انتہائی زبردست ہیں مگر اُن سے بھی بڑھ کر باعث مسرت تمام جہانوں کے مالک کی رضا اور اُس کی رحمت کا حاصل ہونا ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے:

☆...... "اے نفس مطمئن! واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔"

(سورۃ الفجر۔آیات:۲۷۔۳۰)

خوفِ خدا نہ رکھنے کی وجوہات!

☆...... ”آپ پوچھیے، کون رزق دیتا ہے تمہیں آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ اور (کون) نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو انتظام فرماتا ہے ہر کام کا؟ تو وہ (جواباً) کہیں گے اللہ! پس آپ کہیے (جب حقیقت یہ ہے) تو تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے۔“ (سورہ یونس۔ آیت: ۳۱)

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی آیات میں کھول کر بیان کر دیا ہے کہ جو لوگ صرف دکھاوے کا ایمان رکھتے ہیں، اُن سے جب اس بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ اللہ پر ایمان کا اقرار تو کرتے ہیں مگر اللہ کے خوف کی سمجھ اُن میں قطعاً نہیں پائی جاتی۔ اُن کی حالت کا واضح ترین ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں اللہ کا خیال کر کے کسی قسم کے خوف یا احتیاط کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اُن کے اس طرزِ عمل کے پیچھے کئی جانی پہچانی وجوہات ہوتی ہیں، جو ذیل میں بیان کی جارہی ہیں:

اللہ کی سچے دل سے قدردانی نہ کرنا:

عام طور پر لوگوں میں مذہب کو سنی سنائی باتوں ہی کے ذریعے سمجھنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ اور اُس (اللہ) کے اوصاف کو اُس طرح نہیں سمجھتی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان حقائق کو تعلیمات دین کے اصل منبع یعنی قرآن پاک میں بیان

فرمایا ہے۔ حالانکہ اللہ پاک نے قرآن پاک میں انتہائی واضح اور آسان ترین طریقے سے ہمیں اپنے (اللہ پاک کے) وجود اور اوصاف سے آگاہ کیا ہے' پھر بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں اکثر لوگوں کا علم صرف اپنے اہلخانہ، رشتہ داروں اور اِدھر اُدھر سے سنی سنائی باتوں پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے بارے میں لوگوں کا تصور مختلف ہے۔

اس حوالے سے ایک خاص بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو یہ خیال تک نہیں آتا کہ جو باتیں اُنہوں نے سن رکھی ہیں یا اُن کے ابتدائی ماحول میں اُنہیں بتائی گئی ہیں...... وہ نامکمل یا بالکل ہی غلط بھی ہوسکتی ہیں۔ اگر کسی کو ایسا خیال کبھی آئے بھی تو وہ بھی اپنے عقیدے کو چھوڑ کر سچ کی تلاش کیلئے تحقیق کرنا گوارا نہیں کرتا۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے، اللہ کو صحیح طور پر نہ پہچاننے اور اس کے بہت سے عظیم اوصاف سے درست طور پر آگاہی نہ رکھنے کا نتیجہ جہنم کی آگ ہوسکتا ہے۔

اس قسم کے لوگ اللہ کے اوصاف جیسے کہ مغفرت فرمانے والا (الغفار)، مدد فرمانے والا (الناصر)، رزق دینے والا (الرزاق)، باریک بین (اللطیف)، نگہبان (الحفیظ)، نہایت رحم والا (الرحیم) اور نگہبان (المھیمن) کو ہی مدنظر رکھنے کی وجہ سے غیر متوازن تصور رکھتے ہوئے بے فکری اور اطمینان محسوس کرتے ہیں حالانکہ اللہ پاک کے دیگر اوصاف بھی موجود ہیں جیسے کہ، بدلہ لینے والا (المنتقم)، دیکھنے والا (البصیر) اور زبردست (القھار)۔ تاہم اس طرح کے غافل لوگ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ان اوصاف کے کیا معنی ہیں۔ وہ خالق کائنات کے بارے میں اس طرح سے سوچتے ہی نہیں۔ وہ یہ خیال ہی نہیں کرتے کہ انہیں اپنے اعمال، طرزِ عمل اور گفتگو کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے انہی اوصاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اگر وہ اللہ کے کچھ اوصاف سے ناموں کی حد تک واقف بھی ہوں، تب بھی وہ اُن کی پوری اہمیت اور اس بات سے باخبر نہیں ہو پاتے کہ آخرت کی زندگی میں انہیں کس

طرح اللہ پاک کے ان اوصاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یا تو وہ اللہ کے اوصاف کے بارے میں یکطرفہ تصور رکھتے ہیں اور یا پھر اُن کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے دیگر اوصاف کا اطلاق ان پر کسی طرح بھی نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر اگر اُن کے ساتھ کوئی نا انصافی ہو جائے تو وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے عظیم انصاف کے ذریعے اس نا انصافی کا بدلہ دے گا، تاہم وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ اگر وہ قرآن پاک کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتے اور اُن پر اس طرح سے عمل نہیں کرتے جیسے کہ کرنا چاہیے تو انہیں بھی اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انسان کو اللہ کی عبادت کیلئے تخلیق کیا گیا تھا، لیکن اگر وہ اپنے مقصد تخلیق کو مسترد کر دیں تو بلاشبہ انہیں اس جرم کے نتائج بھگتنا ہوں گے۔ اس "عظیم" گناہ کا انجام سخت ترین سزا ہی ہے اور اسی لیے جہنم کو بنایا گیا ہے۔ جہنم دراصل سزا کیلئے بنایا گیا خوفناک ترین مقام ہے جس کی ہولناکی انسان کی قوت تصور سے باہر ہے۔ یہ ہولناکی زمین پر پائی جانے والی سخت ترین تکالیف سے کئی گنا زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ وسیع ہے۔

اوپر کی سطور میں ہم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے وہ دراصل اللہ کے خوف سے حقیقی آگاہی نہیں رکھتے اور اپنے اعمال میں لاپروائی برتتے ہیں۔ وہ اپنے ضمیر کی آواز بھی نہیں سنتے اور سمجھ بوجھ سے مکمل طور پر عاری ہیں۔ اُنہیں اللہ کی قدرت اور طاقت کا اندازہ ہے اور نہ ہی اُس (اللہ) کے جاہ وجلال اور عظیم شان کا۔ وہ اللہ کی بزرگی اور عظمت سے بھی ٹھیک طور پر آگاہ نہیں۔ چنانچہ وہ اس اندرونی ڈر اور حقیقی خوف کو محسوس ہی نہیں کر پاتے جو اللہ کے غیض وغضب کا سامنا کرنے کی کیفیت سے محسوس ہونا چاہیے۔ اس کے نتیجے میں، وہ اللہ کی رضا کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اُس (اللہ) کے احکامات پر پوری طرح کاربند رہتے ہیں۔ وہ اُس (اللہ) کی پابندیوں کا بھی خیال نہیں کرتے اور بے فکری کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اس تشکر اور اطاعت کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو

اللہ کی دی نعمتوں کے شکر کے طور پر انہیں ظاہر کرنا چاہیے چنانچہ ناشکری ان کا ایک اہم اور مستقل وصف بن جاتا ہے۔ مگر آخر کار انہیں دنیا میں بے فکری کی زندگی گزارنے کی قیمت ......خوف اور عذاب سے بھرپور آخرت کی زندگی کے طور پر چکانا پڑے گی۔

آخرت کے بارے میں ایمان نہ لانے والوں کے غلط اعتقادات:

اللہ تعالیٰ کو درست طور پر پہچاننے کا حق ادا کرنے میں ناکام رہنے کے ساتھ ساتھ کئی غافل لوگ جنت اور دوزخ کے بارے میں ادھوری معلومات اور بہت سے جھوٹے عقائد رکھتے ہیں۔ یہ لوگ زمین پر اپنے دلوں کے تابع زندگیاں گزارتے ہیں، اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ دیر جہنم میں رکھنے کے بعد چھوڑ دیا جائے گا۔ مگر، جو انجام اُن کا انتظار کر رہا ہے وہ اُن کے تصور سے کہیں زیادہ دردناک ہے کیونکہ دوزخ ایک عقوبت گاہ ہے جو ایسے منکرین کیلئے، مستقل ٹھکانہ ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی تنبیہات پر دھیان نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر زور دیتا ہے کہ دوزخ ایمان نہ لانے والوں اور اُن لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے جو اپنے غلط عقائد کو نہیں چھوڑتے۔ قرآن پاک واضح فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کیلئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے:

☆...... "درحقیقت جہنم ایک گھات ہے۔ (یہ) سرکشوں کا ٹھکانا ہے، پڑے رہیں گے اس میں عرصہ دراز۔" (سورۃ النباء۔ آیت:۲۱۔۲۳)

جہنم کی تکالیف اور عذاب کا تصور محال ہے۔ جہنم ایک ایسی خوفناک جگہ ہے جہاں اللہ کی صفت ......زبردست (القھار)...... اپنی پوری شدت سے ظاہر ہوتی ہے اور جہاں ملنے والا عذاب، دنیا کی کسی بھی قابل تصور چیز سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ ایک انسان کیلئے جو اُبلتے ہوئے پانی کا ایک قطرہ یا یخ بستہ درجہ حرارت یا تھوڑی سی بھوک تک برداشت نہیں کر سکتا...... اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ یہ عذاب بغیر کسی مشکل کے بھگت لے گا...... دراصل اس کی جہنم کے عذاب سے مکمل ناآگاہی اور ناسمجھی کی واضح نشانی ہے۔ جیسا

کہ ہم شروع سے کہتے آئے ہیں کہ وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے عذاب کے بارے میں فکر مند رہنا ضروری نہیں ...... دراصل وہ ایک ایسا شخص ہے جسے اللہ کی طاقت کا حقیقت میں کوئی اندازہ نہیں۔

دنیاوی زندگی کی مہلت سے دھوکہ میں آ جانا:

لوگوں کا پوری طرح امتحان لینے کیلئے، اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو اس فانی دنیا میں ایک مقررہ مدت عنایت فرمائی ہے۔ وہ (اللہ تعالیٰ) ہمیں خبردار کرتا ہے اور ہمیں مواقع فراہم کرتا ہے کہ ہم ان غلطیوں کو سدھار لیں جو ہم سے سرزد ہوئی ہوں۔ پھر بھی، جو لوگ مذہب سے لاتعلق زندگی گزارتے ہیں' وہ اللہ کی اس سخاوت کو بھی اسی طرح سمجھ نہیں پاتے جس طرح وہ اس کے خوف کو حقیقی طور پر محسوس نہیں کر پاتے۔ دنیاوی زندگی میں اعمال کے برے نتائج سے بچنے کیلئے عام طور پر لوگ اس طرح کے طرز عمل کے بارے میں انتہائی محتاط ہوتے ہیں جس کا فوری ردعمل سامنے آ سکتا ہو...... آیئے اس بات کو سمجھنے کیلئے درج ذیل مثال پر غور کرتے ہیں۔

فرض کیجئے...... ایک صاحب کسی کمپنی میں بہت اچھی تنخواہ پر کام کر رہے ہیں اور اُنہیں کمپنی کی طرف سے کچھ اہم اہداف سونپے گئے ہیں اور ساتھ یہ بتا دیا گیا ہے کہ اگر ان اہداف کو حاصل نہ کیا گیا تو اُن صاحب کو کمپنی کی ملازمت سے فارغ کر دیا جائے گا۔ یہ تصور کرنا قطعی مشکل نہیں ہے کہ وہ صاحب کس قدر جانفشانی اور لگن سے کام کریں گے۔ ملازمت کھو دینے کا ڈر اس بات کو یقینی بنائے گا کہ مکمل لگن اور محنت سے کام کرنے کے علاوہ کسی اور راستے کا تصور بھی محال ہے۔ وہ صاحب ان اہداف کو حاصل کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کریں گے، حتیٰ کہ اپنا آرام، نیند اور دیگر تمام ذمہ داریوں کو بھی بھلا کر انہی مقاصد کے حصول میں جتے رہیں گے تاکہ ناکامی کی صورت میں ملنے والی تباہی سے بچا جا سکے۔ دیکھا جائے تو ان صاحب کا ایسا کرنا بہت اچھی بات ہے...... مگر...... سوال یہ ہے کہ کیا ایسے

لوگ دنیاوی ذمہ داریوں سے کہیں بڑی حقیقت یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کی تیاری کیلئے بھی اسی طرح کی لگن اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت ایسا نہیں کرتی کیونکہ وہ موت اور آخرت کو اٹل حقیقتوں کے طور پر یاد نہیں رکھتے، ان کیلئے دنیاوی زندگی زیادہ معنی رکھتی ہے۔

مگر قرآن پاک کی ایک آیت مبارکہ میں دنیاوی زندگی کی مہلت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

☆...... "اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو، لیکن (اُس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا ہے اُنہیں ایک مقررہ میعاد تک، پس جب ان کی میعاد آ جائے گی تو بیشک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں۔" (سورہ فاطر۔ آیت:۴۵)

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جب وہ کچھ ایسا کریں گے جو اللہ کو منظور نہ ہو تو انہیں اسی وقت "برستے پتھروں کا عذاب" بھگتنا ہوگا، اور جب ایسا عذاب نہیں آتا، وہ اپنے برے کاموں میں مزید آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ اس غیر منطقی سوچ کو ان منکرین میں دیکھا جا سکتا ہے جو تاریخ انسانی کے ہر دور میں موجود رہے ہیں اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

☆...... "......اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں جہنم، اس میں داخل ہونگے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔"

(سورۃ المجادلۃ۔ آیت:۸)

ایسا غلط عقیدہ دراصل ایسے لوگوں کی اکثریت کا گھڑا ہوا ہے جو ایمان نہیں رکھتے

اور جن کا ایمان صرف دکھاوے کیلئے ہوتا ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے کیے کی سزا نہیں ملے گی اور جو یہ سوچتے ہیں کہ وہ بہت چالاک ہیں، دراصل انہیں ان کے ابدی عذاب کی طرف آہستہ آہستہ کھینچا جا رہا ہے۔ ایک ایسی طرف سے جن کی انہیں خبر نہیں:

☆...... "اور جن لوگوں نے تکذیب کی ہماری آیتوں کی تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرا دیں گے انہیں، اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا۔" (سورۃ الاعراف۔ آیت: ۱۸۲)

اُن واضح اور ظاہر کردہ سزاؤں کے ساتھ ساتھ، جنہیں اللہ پاک نے قرآن مجید میں بیان فرما دیا ہے...... کچھ کم تکلیف دہ اور مخفی سزائیں انسان کو اس دنیا میں بھی کسی بھی وقت پکڑ میں لے سکتی ہیں۔ اس کی ایک مثال اللہ کی مرضی کے خلاف طرز عمل اور اخلاقی برتاؤ کا مظاہرہ کرنے والے شخص کو اچانک آ دبوچنے والی تکلیف دہ بیماریاں ہیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ آفات صرف جسمانی حد تک محدود نہیں بلکہ ان میں دیگر آفات اور مصائب بھی شامل ہیں جیسے کہ وہ خوف جس سے اللہ تعالیٰ کسی شخص کے دل کو قابو کر کے یا پھر محض دباؤ اور دیگر ایسے مصائب جو کسی شخص کی زندگی کو انتہائی تکلیف دہ بنا دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ عذاب کی مثال بن جانے سے ڈرو:

☆...... "اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن (اور) چین سے (آباد) تھی، آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے۔ پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی، پس دکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔" (سورۃ النحل۔ آیت: ۱۱۲)

اللہ کے ممنوع کردہ طریقے سے زندگی گزارنے والا کوئی شخص کبھی بھی اس بارے

میں پر یقین نہیں ہو سکتا کہ بدقسمتی اُس کے سر پر نہیں منڈلا رہی اور کسی بھی وقت اس پر حملہ نہیں کر سکتی۔ اللہ کی طرف سے آنے والی کسی بھی سزا کو روکا نہیں جا سکتا۔ اللہ پاک نے خود ہمیں اس حقیقت سے قرآن مجید میں آگاہ کر دیا ہے:

☆...... ''کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والے بادل۔ پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے کوئی کارساز۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر سخت آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو، پھر غرق کر دے تمہیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا، پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا۔ (سورہ بنی اسرائیل۔ آیات: ۶۸۔۶۹)

اس بات کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ انسان دراصل بے یار و مددگار ہے اور یہ کہ ہم مکمل طور پر ہر چیز کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہی مرہونِ منت ہیں۔ آزمائشوں اور سختیوں کی تکالیف کا سامنا صرف اللہ پر توکل اور اس (اللہ) کی عطا کردہ قوت سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ تاہم وہ لوگ جو اپنی محدود قوت کی حقیقت کو قبول نہیں کرتے اور جو اللہ پاک سے نہیں ڈرتے، اُنہیں پوشیدہ اور کھلے بندوں دونوں طرح کے عذاب اور سختیوں کو بھگتنے کیلئے تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ چونکہ حقیقتاً انسانی قویٰ ان مصائب کا از خود سامنا کرنے کی قوت نہیں رکھتے، چنانچہ واحد محفوظ اور کامیابی کا راستہ یہی ہے کہ ہر ممکن حد تک اللہ سے ڈرا جائے اور ان حقائق سے حقیقتاً ڈرتے ہوئے محتاط زندگی بسر کی جائے۔

یہ تصور کرنا کہ محض انتہائی سرکشوں کو ہی عذاب دیا جائے گا:

اگرچہ کہ لوگوں کی اکثریت اس بات سے باخبر ہے کہ موت کے بعد، اللہ تعالیٰ

اُن سے ان کی دنیاوی زندگی کا حساب لے گا، اور اس حساب کتاب کے بعد انہیں جنت یا دوزخ میں بھیج دیا جائے گا، پھر بھی وہ آخرت کی زندگی کیلئے کوئی تیاری نہیں کرتے۔ یہ لوگ اگرچہ آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتے ہیں مگر ان کا طرز زندگی منکرین دین سے قطعاً مختلف نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہ وہ اپنے اس طرز عمل پر کسی پشیمانی کا شائبہ تک ظاہر نہیں کرتے۔

ان دونوں گروپوں (منکرین اور آخرت کیلئے تیاری نہ کرنے والوں) کا طرز زندگی...... ظاہراً، رویئوں، برتاؤ، مقاصد اور خواہشات کے اعتبار سے بالکل ایک جیسا ہوتا ہے۔ ان دونوں گروپوں میں واحد فرق یہ ہے کہ ایک گروپ زبان سے مسلمان ہونے کا دعویدار ہوتا ہے، جبکہ دوسرا گروپ ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ حالانکہ خود کو مسلمان کہنے والا گروپ قرآن پر یقین رکھنے کا بھی دعویٰ کرتا ہے مگر اس کتاب (قرآن مجید)، جس پر ایمان کا وہ دعویٰ کرتے ہیں ...... کی ہدایات پر عملدرآمد نہ کرنا انہیں کسی طرح کی بے سکونی یا پریشانی میں مبتلا نہیں کرتا۔

اُن کی ظاہری حالت، کے اُن کے دعوے سے پوری طرح مختلف ہونے کی وجہ ان کی یہ خام خیالی ہے کہ ان کے دل خالص ہیں اور وہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔

اُن کا طرز عمل اس پر یقین عقیدے پر مبنی ہوتا ہے کہ انہیں کبھی دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا، دوسرے الفاظ میں وہ خود کو یقینی طور پر "جنتی" تصور کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کا آخذ کردہ وہ طریقہ کار بھی خاصا دلچسپ ہے جس کی رُو سے وہ یہ بتاتے ہیں کہ کن لوگوں کو جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا اور اسی طرح سے اُن کی یہ جہالت جس کی بنا پر وہ کہتے کہ باقی سب لوگ جنت میں جائیں گے۔

اُن کے اخذ کردہ طریقہ کار کے مطابق جہنم کے مستحق صرف جرائم پیشہ افراد اور ایسے عادی گنہگار ہیں، جنہیں ہم اکثر ٹیلی ویژن یا اخبارات میں دیکھتے ہیں۔ ان میں قاتل، چور، دہشت گرد اور ایسے خطرناک مجرم شامل ہیں جو دوسروں کیلئے باعث نقصان ہوتے

ہیں۔ اور جو لوگ اس فہرست سے خارج ہیں وہ عام آدمی ہیں جو اگرچہ نسل انسانی کی اکثریت پر مشتمل ہیں مگر ان لوگوں کے خیال میں ان ''عام آدمیوں'' کے تمام گناہ فوراً معاف کر دیئے جائیں گے۔

اپنے اخذ کردہ اسی طریقہ کار کی بنا پر وہ خود کو جنت کا حقدار تصور کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں انہوں نے کبھی کسی کا قتل کیا ہے اور نہ ہی چوری کی ہے اور نہ ہی وہ دہشت گرد ہیں، لہٰذا اُن کا نام اہل جنت کی فہرست میں شامل ہونا چاہیے' خواہ اُنہوں نے اللہ کے احکامات کی پیروی کی ہو یا نہ کی ہو۔ چنانچہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود، ہر طرح کے گناہ کبیرہ، عبادات سے غفلت، قرآن کی تعلیمات سے رُوگردانی اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی بھی ان کے اندر کسی قسم کا خوف یا دہشت پیدا نہیں کرتی۔ اس کی بالکل واضح وجہ اُن کا یہ غلط تصور ہے کہ اس طرح کے اعمال یا غلطیاں جہنم کی آگ کے عذاب کا سبب نہیں ہو سکتیں۔

درحقیقت اُن کا یہ سوچنا ایک بہت بڑی غلطی ہے جو انہیں آگ کے شعلوں کی طرف کھینچ لے جا سکتی ہے۔ یہ غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگ اسلام کے نام پر ایسے عقائد اور توجیہات کا پرچار کرتے ہیں جو قرآن میں بیان کردہ احکامات سے قطعی مختلف ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنے جھوٹے عقائد کی رُو سے اُن معاملات کو کم اہم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بے حد اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ اُن کا از خود اخذ کردہ دینی تصور اُنہیں ایک ایسے طرز زندگی کی طرف لے جاتا ہے جس کا اللہ کے حقیقی خوف کے ہوتے ہوئے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی غلط منطق کی طرف توجہ دلاتا ہے:

☆...... ''آپ پوچھیے، کون رزق دیتا ہے تمہیں آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور

(کون) نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو انتظام فرماتا ہے ہر
کام کا؟ تو وہ (جواباً) کہیں گے اللہ! پس آپ کہیے (جب حقیقت یہ
ہے) تو تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے۔"

(سورہ یونس۔ آیت:۳۱)

ایسے لوگ اپنی تصوراتی توجیہات کی بنا پر دین کے حقیقی احکامات اور پابندیوں کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ جھوٹے تصورات پر مبنی عقائد کی بنا پر اس جھوٹے احساس میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ جنت کے حقدار ہیں، حالانکہ وہ صرف خود کو فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔ مگر وہ خود کو کتنا ہی فریب دیتے رہیں، اُن کا ضمیر اُنہیں اصل حقیقت سے آگاہ کرتا رہے گا۔ جب کبھی قرآن میں بیان کردہ حقائق سے سامنا ہوتا ہے تو اُن کیلئے یہ تصور انتہائی مشکل ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اپنی ساری زندگیاں گناہوں اور غلطیوں میں ضائع کر دیں۔ وہ اُس شخص کی بات سننے سے ہی قطعی انکار کر دیتے ہیں جو اُنہیں اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں بحث سے بچنے کیلئے وہ جان بوجھ کر خود کو دوسرے معاملات ہی کی طرف اُلجھائے رکھتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اگر کبھی کوئی ایسی بات یا سوچ ان کے دماغ میں آئے بھی جو کہ اُنہیں خوف اور پریشانی میں مبتلا کر سکتی ہو تو وہ فوراً اپنی توجہ کسی دوسری طرف منتقل کر کے اسی تصوراتی سلامتی کے فریب میں مبتلا رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ، اُس (اللہ) کی تنبیہات اور اُس (اللہ) کے عذاب کے بارے میں سوچوں کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، دوسرے لفظوں میں وہ تکلیف دہ انجام کی حقیقت سے مسلسل انکار کی حالت میں رہتے ہیں۔ اُس انجام سے انکار کی حالت میں رہتے ہیں جس سے بچنا ناممکن ہے۔ وہ انجام ہے اللہ کا انصاف......جس سے فرار ناممکن ہے۔ وہ جتنی مرضی کوشش کر لیں، سچ کو جھٹلانے کی اُن کی بیوقوفانہ جدوجہد اُنہیں اس خوفناک انجام سے نہیں بچا سکتی جو اُن کا منتظر ہے۔

یہ تصور کرنا کہ ''اللہ ہمیں بالآخر معاف کر دیگا'':

☆...... ''پھر جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جو وراث ہوئے کتاب کے، وہ لیتے ہیں مال اس دنیا کا اور (بایں ہمہ) کہتے ہیں کہ ضرور بخش دیا جائے گا ہمیں......'' (سورۃ الاعراف۔ آیت:۱۶۹)

جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں اشارہ کیا گیا ہے، لوگ اللہ کے بتائے طریقے کے مطابق زندگی نہ گزارنے کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں پھر بھی معاف کر دیا جائے گا۔ اس طرح سے سوچنے کی اہم ترین وجہ بلاشبہ یہ ہے کہ وہ اپنے اخذ کردہ تصوراتی عقیدے کی بنیاد پر...... جو قرآن کی رُو سے کوئی بنیاد نہیں رکھتا...... اللہ تعالیٰ کے اوصاف اور اُس (اللہ) کے انصاف کا ادراک نہیں کر پاتے۔ اگرچہ اللہ پاک بے حد معاف فرمانے والا ہے اور اپنے بندوں کے غلط اعمال کو بخش بھی دے گا مگر اس بخشش کے لیے اولین شرط اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں بیان فرمائی ہے:

☆...... ''توبہ، جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے، ان کی توبہ ہے جو کر بیٹھتے ہیں گناہ بے سمجھی سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے، پس یہی لوگ ہیں (نظر رحمت سے) توجہ فرماتا ہے اللہ ان پر اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا۔ اور نہیں یہ توبہ (جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے) ان لوگوں کے لیے جو کرتے ہیں برائیاں (ساری عمر) یہاں تک کہ جب آ جائے کسی ایک کو ان میں سے موت (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ان لوگوں کی توبہ جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں۔ انہیں کیلئے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دردناک۔'' (سورۃ النساء۔ آیات:۱۷۔۱۸)

تاہم، کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں بار بار کھلے عام اور ڈھکے چھپے خبردار کیا گیا

ہے اور جو سچ سے اچھی طرح واقف ہیں پھر بھی وہ اللہ کا خوف نہیں رکھتے۔ اور اپنے اسی خیال میں مگن رہتے ہیں کہ اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا۔ اس طرح کی خام خیالی، شیطان کے لوگوں کو بہکانے اور فریب دینے کی صلاحیت کی واضح مثال ہے۔ یہ اُس (شیطان) کے بہت سے ہتھکنڈوں میں سے ایک ہے، جس کی مدد سے وہ انسان کو ہر طرح کے برے اعمال اور گناہوں کو مسلسل کرنے پر آمادہ رکھتا ہے۔ مزید براں، اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان کہ......

☆...... "بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔"

(سورۃ المعارج۔ آیت: ۲۸)

اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ کسی بھی شخص کو اس طرح سے بخشش کی گارنٹی نہیں دی گئی۔

خود کو جنت کا حق دار سمجھنا:

یہ بالکل واضح بات ہے کہ قرآن کی تعلیمات کو غلط انداز میں سمجھنے سے آخرت کا بھی غلط تصور قائم کر لیا جائے گا۔ اسی لیے جہالت میں ڈوبے لوگوں کی اکثریت خود کو جنت کا مستحق تصور کرتی ہے۔ ان میں سے بہت سے تو اس بات کا بھی یقین نہیں رکھتے کہ موت کے بعد اُنہیں اپنے اعمال کیلئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اُن کے مطابق اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو ان کے حق میں بہتر ہی ہوگا اور یوں وہ اس جھوٹے احساس تحفظ کے ساتھ خود کو بے وقوف بناتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک باغات کے مالک کی مثال بیان کی ہے، جو بے حد اکھڑ اور خود پرست تھا۔ وہ اللہ پاک سے نہیں ڈرتا تھا اور اپنی بے انتہا دولت کی وجہ سے بے حد مغرور ہو چکا تھا۔ اس کے باغات کی کثیر پیداوار اور ان کی خوبصورتی نے اُس کی خود پرستی کو بے حد مضبوط بنا دیا تھا۔ اس خود پرستی سے حاصل ہونے والے احساس طاقت

سے وہ یہ سمجھنے لگا کہ اس کا مال و دولت نا قابل تسخیر اور ہمیشہ رہنے والا ہے، اور یوں اس نے انتہائی گستاخانہ روش اختیار کر لی:

☆...... "اور (ایک دن) وہ اپنے باغ میں گیا، درآنحالیکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ یہ (سرسبز و شاداب) باغ کبھی برباد ہو گا اور میں یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہو گی اور بفرض حال اگر مجھے لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میں پاؤں گا اس (نزہتگاہ) سے بہتر پلٹنے کی جگہ۔" (سورۃ الکہف۔ آیات: ۳۵۔۳۶)

باغات کے مالک کا احوال، آج کل کے لوگوں کیلئے کھلی مثال ہے جو آخرت اور قیامت کے دن کو بھلائے بیٹھے ہیں۔ اور جو برائیوں میں بڑھے ہوئے ہیں اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ مزید برآں آخرت کی زندگی، جہنم کی آگ اور اس کے عذاب کا سامنا کرنے کے حوالے سے اپنے تصور کے باعث وہ خود کو اس خیال سے دھوکہ دیتے رہتے ہیں کہ بالآخر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ ایسے لوگوں کا طرز عمل جن کی احمقانہ سوچ انہیں روز آخرت کی حقیقتوں کو جب جی چاہے جھٹلانے کی اجازت دے دیتی ہے اور اسی طریقے سے جو خود کو جنت کا حقدار سمجھتے ہیں...... دراصل ان کے اللہ کے خوف سے حقیقی طور پر آگاہی نہ رکھنے کا واضح ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ:

ایک اور وجہ جس کے باعث لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے اور پرہیزگاری اختیار نہیں کرتے ...... ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پیار کرتے ہیں۔ تاہم اللہ سے سچے پیار کیلئے دل میں اُس (اللہ) کا احترام اور اُن باتوں سے بچنا ضروری ہے جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ہم اُن لوگوں کا طرز زندگی دیکھتے ہیں تو

اس میں ان دونوں اوصاف (یعنی اللہ کا احترام اور اس (اللہ) کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا) کا نام ونشان بھی نہیں ملتا، حالانکہ زبان سے وہ اللہ کی محبت کے دعویدار ہوتے ہیں۔ جو شخص اللہ پاک سے مخلصانہ محبت رکھتا ہے وہ ہر چیز سے بڑھ کر اللہ کی مقرر کردہ حدود کا خیال رکھے گا۔ وہ ان چیزوں سے محبت کرے گا جن سے اللہ پاک محبت کرتا ہے اور ان چیزوں سے بے حد محتاط رہے گا جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں وہ اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کیلئے گہرے احترام، بھروسے اور اطاعت کا مظاہرہ کر کے اُس (اللہ) کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہے گا۔ مگر جو شخص اللہ کی حدود کا خیال کیے بغیر صرف زبانی دعویٰ کرتا ہے کہ اسے اللہ سے پیار ہے وہ کبھی بھی اس پیار کے دعوئ میں سچا اور مخلص نہیں ہوسکتا۔ اس کا اللہ سے پیار میں مخلص نہ ہونا دراصل اس کیلئے اذیت اور دردناک عذاب لانے کا سبب بنے گا۔

یہاں اہم نکتہ یہ ہے کہ صرف زبان سے اس طرح کے پیار کا دعویٰ محض خود کو دھوکہ دینے اور حد سے زیادہ خود اعتمادی کے اظہار کے سواء کچھ نہیں۔ اس طرح کا رویّہ قرآن پاک کے پیغام اور اس کی روح کے بالکل منافی ہے۔

جہالت پر مبنی خوف:

اللہ تعالیٰ لوگوں کے حالات اور ہر اُس اُمید، دعا اور خیالات سے خوب واقف ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں جنم لیتے ہیں۔ اسی لیے جو امر نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ اللہ کی طرف مخلصانہ طور پر رجوع کریں اور اس کی دوستی کیلئے کوشاں رہیں۔ مخلصانہ اندرونی خوف، انسان کے اندر اطاعت، حوصلہ، فرمانبرداری اور اللہ کی محبت حاصل کرنے کی طرف بڑھنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

مگر جو لوگ دین کے احکامات کی روشنی میں زندگی بسر نہیں کرتے، اُن کا خوف مختلف اور اُن کے خوف کا احساس وقتی ہوتا ہے۔ جب کبھی انہیں کسی مشکل صورتحال میں مبتلا

کر کے امتحان لیا جاتا ہے، تب اُنہیں اللہ کا غضب یاد آتا ہے اور وہ اس کے نتائج سے ڈرنے لگتے ہیں۔ لیکن جونہی اللہ پاک اُنہیں اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی اپنی پرانی روش کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس حوالے سے قرآن مجید درج ذیل مثال بیان فرماتا ہے:

☆...... ''اور وہی ہے جو سیر کراتا ہے تمہیں خشک زمین اور سمندر میں، یہاں تک کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں اور وہ چلنے لگتی ہیں مسافروں کو لیکر موافق ہوا کی وجہ سے اور وہ مسرور ہوتے ہیں اس سے (تو اچانک) آ لیتی ہے انہیں تند و تیز ہوا اور آ لیتی ہیں انہیں موجیں ہر جگہ (طرف) سے اور خیال کرنے لگتے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا (تو اس وقت) پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے کہتے ہیں، اے کریم! اگر تو نے بچا لیا ہمیں اس (طوفان) سے تو ہم یقیناً ہو جائینگے (تیرے) شکر گزار (بندوں) سے۔ پھر جب وہ بچا لیتا ہے انہیں تو سرکشی کرنے لگتے ہیں زمین میں ناحق۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہیں پر پڑے گا، لطف اٹھا لو دنیوی زندگی سے، پھر ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تمہیں پھر ہم آگاہ کریں گے تمہیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔'' (سورہ یونس۔ آیات: ۲۲۔۲۳)

جیسا کہ درج بالا مثال سے ظاہر ہے، ایسے لوگوں کا خوف اُن کے کسی کام نہیں آئیگا۔ سچے مومن کے برعکس، وہ اس طرح کے واقعات سے سبق سیکھتے ہیں اور نہ ہی ان پر غور و فکر کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہوئے اس پر ایمان رکھتے ہیں وہی ان واقعات کی طرف توجہ دیں گے:

☆...... ''سمجھ جائے گا جس کے دل میں (خدا کا) خوف ہوگا اور دور رہے گا اس سے بدبخت۔'' (سورۃ الاعلیٰ۔ آیات:۱۰۔۱۱)

یہاں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ غیر مخلص لوگ جن کا درج بالا آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے وہ لوگوں کے دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیے وہ اپنے اندر اللہ پاک کے لیے گہرے اندرونی خوف کا احساس نہیں رکھتے۔ انہیں پیش آنے والے مصائب بھی انہیں سیدھے راستے کی طرف نہیں لائیں گے۔ اللہ پاک نے ایسے لوگوں کے طرز عمل کے بارے میں ہمیں قرآن مجید کی بے شمار آیات مبارکہ میں آگاہ فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر:

☆...... ''(اے حبیب ﷺ!) آپ پوچھیے کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو، وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمایئے پھر کیا تم غور نہیں کرتے، پوچھیے کون ہے مالک سات آسمانوں کا، اور (کون ہے) مالک عرش عظیم کا؟ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمایئے تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے، آپ پوچھیے وہ کون ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جا سکتی اس کی مرضی کے خلاف (بتاؤ) اگر تم کچھ علم رکھتے ہو، وہ کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے۔ فرمایئے کیسے تم دھوکہ میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پہنچا دیا انہیں حق اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔'' (سورۃ المؤمنون۔ آیات:۸۴۔۹۰)

اللہ سے نہ ڈرنے والے کی "صفات" کیا ہیں؟

سیدھی راہ (صراطِ مستقیم) پر چلنے کی صفت صرف اللہ تعالیٰ کے خوف اور اُس (اللہ) کے احکامات پر پوری طرح عملدرآمد ہی کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے۔ ایک ایسے شخص کے دل میں جو انتہائی ایماندار کردار کا مالک اور اس پر قائم رہتا ہو، اللہ تعالیٰ سے گہری محبت اور اللہ پاک کے اندرونی خوف کا ہر لحہ موجود ہونا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُسی طرح ڈرنا چاہیے کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت، شان و شوکت اور جاہ و جلال، نیز اس کے اعلیٰ مقام، وسیع علم و طاقت، اور تمام بندوں پر اُس (اللہ) کی غیر مشروط و لامحدود حاکمیت کو ذہن میں رکھیں اور ان کے بارے میں غور و فکر کرتے رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدوں، تنبیہات، روزِ حساب اور اس کی سختیوں اور جہنم کے خوفناک اور ابدی عذاب پر مکمل یقین رکھیں۔ یہ یقین اللہ تعالیٰ کے گہرے خوف کا راستہ ہموار کرے گا۔ اسی یقین سے یہ بات بھی یقینی ہو پائے گی کہ انسان کا طرزِ عمل، کردار، حرکات اور گفتگو...... اللہ تعالیٰ کے منظور کردہ اخلاقی معیار کے مطابق اور اس سے ہم آہنگ ہے۔ اللہ سے ڈرنے والا شخص، اُس (اللہ) کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کیلئے ہمہ وقت بیداری کی حالت میں رہے گا۔

اس کے برعکس وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ کیے بغیر کسی بھی طرح کے طرزِ عمل کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، خواہ وہ دین کے احکامات کے

خلاف ہی ہو۔ ایسا شخص جو یہ بھول چکا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا، اُس کیلئے اس بات کی کوئی ضرورت یا وجہ نہیں کہ وہ ایماندار ہو، دوسروں کے کام آئے، انصاف پسند اور باعزت شہری بنے۔ یا مختصراً یہ کہ وہ اچھے اخلاق و کردار کا مظاہرہ کرے۔ ایسا انسان صرف ذاتی خواہشات اور ذاتی مفاد کیلئے سرگرم رہتا ہے۔ دوسروں کو فائدہ پہنچانا اس کیلئے غیر ضروری ہوتا ہے۔

ایسے لوگ اپنے ذاتی مفاد کیلئے ہر کام کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ اللہ کی طاقت کو سمجھنے کی عدم صلاحیت کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف ان کے لیے اعمال درست کرنے میں مددگار ثابت نہیں ہوتا۔ چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اُس (اللہ) کے عذاب کا کوئی ڈر نہیں ہوتا، اس لیے وہ کسی پابندی یا حدود کو خاطر میں نہیں لاتے، وہ اللہ کے منع کردہ اوامر کو نظر انداز کر دیتے ہیں، لوگوں سے ظالمانہ سلوک روا رکھتے ہیں اور ہر برے کام میں آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ اللہ کی حاکمیت اور اس کی بدلہ لینے کی قوت پر غور نہیں کرتے اس لیے دوبارہ سوچے بغیر اللہ کی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے، کھلے عام ہر ممکن گناہ اور اخلاقی برائیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ اللہ کے دین کو نہیں سمجھتے اور اپنے غلط طرز عمل سے دوسرے لوگوں کو دین سے بدظن کرتے ہیں، وہ دین کے مقرر کردہ اخلاقی معیار پر عملدرآمد کی اہمیت سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ بلاشبہ ان لوگوں کے باغیانہ طرز عمل کا ردعمل آخرت میں پوری شدت سے سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ہمیں ایسے لوگوں اور اُن کے انجام سے آگاہ فرماتا ہے:

☆...... "بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ بخش دے انہیں اور نہ یہ کہ دکھائے انہیں (سیدھی) راہ بجز جہنم کی راہ کے، ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل

آسان ہے۔" (سورۃ النساء۔آیات:۱۶۷۔۱۶۹)

ذیل میں ہم اللہ سے نہ ڈرنے والے ان گنہگاروں کے برے اوصاف اور خصائل کا تجزیہ کریں گے جن کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے۔

شیطان سے مماثلت:

وہ لوگ، جو اللہ کے وجود اور اس کی طاقت سے پوری طرح آگاہ ہونے کے باوجود اس طرز عمل کا مظاہرہ نہیں کرتے جو اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے اور جو اُس (اللہ) سے حقیقت میں نہیں ڈرتے، اُن کے اوصاف بالکل شیطان جیسے ہوتے ہیں۔ جو لوگ مستقلاً شیطان کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں اُن کی سوچ اور جذبہ بھی بالکل اُس (شیطان) کے جیسا ہو جاتا ہے۔ اس مماثلت کی سب سے واضح نشانی ان لوگوں کا سچائی سے اندھا انکار ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ از خود ایسے احمقانہ اور غیر متوازن طرز عمل اور برتاؤ کا مظاہرہ کرتے ہیں جو اُن کے اپنے لیے نقصان دہ ہوتا ہے، بجائے اس کے کہ وہ سچائی کو تسلیم کرتے ہوئے، اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس احمقانہ رویئے کی بہترین مثال، شیطان کا اللہ تعالیٰ کو چیلنج کرنا ہے۔ اس واقعہ کو قرآن پاک میں پوری نسل انسانی کیلئے مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان اور نبی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں اور جنات کو پیدا کیا۔ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تعریف میں مصروف رہتے تھے۔ پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور فرشتوں کو انہیں (حضرت آدم علیہ السلام کو) سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ فرشتوں نے فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کی اور حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدے میں جھک گئے۔ مگر شیطان (ابلیس) نے جو کہ جنات میں سے ہونے کے باوجود (فرشتوں کے ساتھ موجود تھا، اللہ کے حکم کی بجا آوری نہ کی اور اُس (اللہ) کا نافرمان بن گیا۔ اس کی وجہ شیطان کا یہ خیال تھا

کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے اعلیٰ و برتر ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆...... ''ارشاد ہوا اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے، کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔'' (سورہ ص۔ آیت ۷۵:)

جس کے جواب میں شیطان نے کہا:

☆...... ''میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔'' (سورہ ص۔ آیت:۷۶)

شیطان کی اللہ تعالیٰ کے سامنے اس واضح گستاخی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم کے ابدی عذاب کا مستحق قرار دیدیا۔ بلاشبہ شیطان کی یہ گستاخانہ حرکت روحانی اختلافات کی ایک ناقابل فہم حالت کے باعث سامنے آئی۔ وہ (ابلیس) اللہ تعالیٰ کے وجود سے اچھی طرح واقف تھا، لازماً وہ اللہ سے براہ راست بات کرتا تھا۔ اُسے اللہ کے اوصاف، اُس (اللہ) کی طاقت اور جہنم کے ابدی عذاب کا بھی بخوبی علم تھا، پھر بھی اس نے ایسی گستاخی کی۔

شیطان اور ان لوگوں میں جو اللہ پر اُس (اللہ) سے ڈرتے ہوئے ایمان نہیں رکھتے، اس طرز کی بیوقوفانہ مماثلت ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود سے بخوبی آگاہ ہوتے ہوئے بھی اُس (اللہ) کے احکامات سے انکاری ہونا اور اُس (اللہ) کی حاکمیت کو تسلیم نہ کرنا، حقیقتاً انتہائی حیران کن ہے۔ شیطان کے براہ راست اور واضح علم کو دیکھتے ہوئے، کوئی بھی یہ توقع رکھے گا کہ اُس نے ایمان اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی اصل روح کو پا لیا ہوگا۔ اسی طرح اُس سے یہ بھی توقع کی جائے گی کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور احترام کا حق ادا کرنے کیلئے آگاہی کا اعلیٰ وارفع مقام حاصل کر لیا ہوگا۔ مگر حقیقتاً شیطان نے انتہائی ڈھٹائی

اور گستاخی کا مظاہرہ کیا۔

درج ذیل آیات مبارکہ میں قرآن پاک ایسے ہی لوگوں کی حالت بیان فرماتا ہے جو شیطان سے مماثلت رکھتے ہیں:

☆...... "آپ پوچھیے، کون رزق دیتا ہے تمہیں آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھ کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور (کون) نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو انتظام فرماتا ہے ہر کام کا؟ تو وہ (جواباً) کہیں گے اللہ! پس آپ کہیے (جب حقیقت یہ ہے) تو تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے۔"

(سورہ یونس۔ آیت:۳۱)

ایک اور آیت قرآنی ایسے لوگوں کی روحانی تباہ حالی اور ان کی جہالت کو یوں بیان فرماتی ہے:

☆...... "اور مثال ان کی، جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ ایسی ہے جیسے کوئی چلا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے۔ یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت:۱۷۱)

ایک اور اہم بات جس سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں وہ ہے سب انسانوں کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا۔ ایک انسان، جسے عدم سے تخلیق کیا گیا اور جسے پتہ ہے کہ وہ ایک دن مر جائے گا، اس سے یہ پوچھنا کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوگا انتہائی حیران کن اور غیر منطقی ہے۔ قرآن مجید تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کئے جانے کے دن اور اس دن کے برپا ہو جانے پر اسے جھٹلانے والوں کی پستہ حالی سے ہمیں آگاہ فرماتا ہے:

☆...... "اے سننے والے! اگر تو (انکے تعصب پر) حیران ہوتا ہے تو حیرت انگیز ان کا یہ قول بھی ہے کہ کیا جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائیں گے تو

کیا ہمیں نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا کیا جائے گا، یہی (منکرین قیامت) وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا۔ اور انہیں (بدنصیبوں) کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور یہی لوگ جہنمی ہیں۔ وہ اس (آگ) میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔" (سورۃ الرعد۔ آیت:۵)

اُن کا غرور اور بد دماغی

☆...... "اور جب کہا جائے اسے کہ (میاں) خدا سے ڈرو تو اور اکساتا ہے اسے غرور گناہ پر، پس اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت:۲۰۶)

جو لوگ اللہ تبارک تعالیٰ سے نہیں ڈرتے ان کے سب سے خاص اور واضح اوصاف انتہائی زیادہ غرور اور گستاخانہ رویّہ ہوتے ہیں۔ اس طرح کے طرز عمل کے پیچھے دراصل انسان کا خود کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے آزاد تصور کرنا اور خود کو ان اوصاف کا مالک خیال کرنا ہوتا ہے جو کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ ہیں۔ یہ طرز عمل اس اعتبار سے بے حد عجیب ہے کہ انسان بہر حال بے حد کمزور اور اس کی صلاحیتیں محدود ہیں۔ انسان خود کو کتنا ہی طاقتور اور اعلیٰ مقام تصور کرے، بالآخر وہ تھک جاتا ہے، اسے بھوک لگتی ہے، پیاس لگنے پر وہ تڑپ اٹھتا ہے، نیند آنے پر وہ تختہ دار پر بھی سو جاتا ہے، سر درد اور دوسری بیماریاں اسے کسی بھی وقت گرفت میں لیکر نڈھال کر سکتی ہیں، بڑھاپے کے ساتھ ساتھ اس کا بدن کمزور ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر بالآخر اسے مر جانا ہے اور اس کا یہ بدن جس کے بل پر وہ مغرور بنا پھرتا ہے مٹی میں مل کر فنا ہو جاتا ہے۔

لوگوں کے گستاخانہ رویئے کی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے جبکہ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں عدم سے پیدا فرمایا اور اسی (اللہ تعالیٰ) نے ہمیں تمام

صلاحیتیں اور قوت عطا کی اور یہ کہ وہ (اللہ) جب چاہے اپنی عطا کردہ نعمتوں کو واپس لے سکتا ہے، اور یہ کہ تمام جاندار اشیاء فنا ہو جانے والی ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ لہٰذا صرف وہی لوگ اس قدر گستاخ ہو سکتے ہیں جو اپنی محدود قوتوں کو بھول جاتے ہیں اور جن کا زنگ آلود دماغ ان معاملات کو سمجھنے میں ناکام رہتا ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ قارون کے ساتھ تھا، جس کی مثال اللہ تعالیٰ نے پوری نسل انسانی کیلئے بیان فرمائی ہے۔

قارون کے تکبر اور اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے کی وجہ اُس کی بے انتہا دولت تھی۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ تمام مال و دولت اللہ ہی کا ہے اور اگر وہ (اللہ) چاہے تو کسی بھی وقت اپنی دولت واپس لے سکتا ہے۔ مگر قارون نے سمجھا کہ یہ خزانے اس نے از خود اپنی صلاحیتوں کے بل پر حاصل کئے ہیں۔

☆...... "بیشک قارون، موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا۔ پھر اس نے سرکشی کی ان پر، اور ہم نے دے دیئے تھے اسے اتنے خزانے، کہ ان کی چابیاں (اپنے بوجھ سے) جھکا دیتی تھیں ایک طاقتور جتھہ (کی کمروں) کو۔ جب کہا اسے اس کی قوم نے زیادہ خوش نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال و زر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے، اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو۔ وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت و ثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے، کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ

تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں، جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں اور نہیں دریافت کیے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ۔"

(سورۃ القصص۔ آیات: ۷۶۔۷۸)

قارون کے گستاخانہ طرز عمل کے جواب میں اسے زندگی ہی میں دردناک سزا دی گئی تاکہ اہل عقل لوگوں کیلئے ایک واضح مثال بن سکے۔ اگر وہ اپنے خیال کے مطابق سب سے بڑھ کر قوت وطاقت کا مالک ہوتا تو ظاہر ہے وہ خود کو اس سزا سے بچا لیتا۔
مگر اس کا علم، خزانے، اس کے ساتھی اور اعلیٰ شان وشوکت اُسے اللہ پاک کے عذاب سے نہ بچا سکے۔

☆...... "پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں، تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں۔ اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔ اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے، اوہو! (اب پتہ چلا) کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا۔ اوہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے۔"

(سورۃ القصص۔ آیات: ۸۱۔۸۲)

قارون کا دردناک انجام ان لوگوں کیلئے صاف مثال ہے جو اللہ پاک کا ڈر نہیں رکھتے اور جو اپنے جھوٹے غرور کے جال میں گرفتار رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے برعکس جو لوگ

اللہ اور دین سے مخلص ہیں اور تکبر نہیں کرتے ان کے لیے آخرت میں انتہائی خوش کن مقام مخصوص کر دیا گیا ہے:

☆...... ''یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لیے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔''

(سورۃ القصص۔ آیت:۸۳)

اُن کا حسد اور جارحانہ پن:

جو لوگ اللہ تبارک تعالیٰ کے خوف سے بالکل عاری ہوتے ہیں اُن کی خود پسندی اس قدر پختہ اور بڑھ جاتی ہے کہ وہ ہر شے کو اپنے لیے مخصوص تصور کرنے لگتے ہیں اور اسے ہر قیمت پر اپنے تصرف میں کرنا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ دوسرے لوگوں کے پاس موجود چیزوں سے حسد کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح کے طرز عمل کی مثال کے طور پر قرآن پاک حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کے درمیان ہونے والے ایک واقعہ کو بیان فرماتا ہے:

☆...... ''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک، جب دونوں نے قربانی دی، تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا (پہلے نے) کہا (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے، تو اگر بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی) میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھالے میرا گناہ

اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے
والوں کی۔ پس آسان بنا دیا ہے اس کیلئے اس کے نفس نے اپنے
بھائی کا قتل، سو قتل کر دیا اُسے اور ہو گیا سخت نقصان اٹھانے والوں
سے۔" (سورۃ المائدۃ۔ آیات: ۲۷۔۳۰)

ایک ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اپنی اندرونی خواہشات کے بارے میں محتاط رہتا اور انہیں قابو میں رکھتا ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسا خوف یا ڈر نہیں ہوسکتا جو انسان کو اپنے ذاتی کردار کو درست سمت میں رکھنے کیلئے اس قدر موثر انداز میں بیداری پر مائل رکھے۔ وہ بھائی جو اللہ کا خوف نہیں رکھتا تھا۔ اپنے نفس کی بے لگام خواہش سے مغلوب ہو گیا تھا۔ اس بات کے حسد اور غصے میں کہ اس کی قربانی قبول نہیں کی گئی اور اپنے بھائی سے رقابت محسوس کرنے کے باعث اس نے اپنے بھائی کو قتل کرنے کی دھمکی دی اور پھر اس دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا۔ یہ واقعہ ایک واضح نشانی ہے کہ اللہ سے نہ ڈرنا اور خود کو اپنے نفس کا غلام بنالینا کس قدر خطرناک ہوسکتا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، وہ خود کو کسی بھی معاملے میں نیچا دیکھنے پر اس شخص کو جو اس سے بڑھ کر ہو جسمانی اور ذہنی طور پر نقصان پہنچانے سے قطعاً نہیں ہچکچاتا۔ مزید براں حسد اور بغض شیطان کے نمایاں ترین اوصاف ہیں۔ جب شیطان کو اللہ کے دربار سے نکال دیا گیا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کیلئے اپنی تمام تر نفرت اور حسد کا اظہار کیا اور وعدہ کیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی آئندہ تمام نسلوں کو جہنم کی طرف دھکیل کر لے جائے گا۔ تاہم اُس (ابلیس) کے اس وعدے کا اطلاق صرف شیطان کے ساتھیوں اور دوستوں پر ہی ہوتا ہے، اور مومنین، جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور ہر وقت اپنے اعمال کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں، ان پر شیطان کی اس دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

ان کی خود پسندی:

''خود پسند'' ہونے کا مطلب ہے کہ انسان کو کسی چیز کی ضرورت نہیں اور یہ کہ انسان کمزوریوں یا نقائص سے پاک اور کسی کو جواب دہ نہیں۔ حقیقتاً یہ اوصاف صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ انسان اور دیگر جاندار تخلیقی اعتبار سے کمزور اور ہمہ وقت کسی نہ کسی ضرورت میں مبتلا رہتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقصد کے تحت تخلیق کیا ہے اور وہ ہر لمحہ زندہ رہنے اور غذا کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے خوف سے عاری ہوتے ہیں انہیں اپنی کمزوریاں اپنے بند دماغوں اور بری سوچ کی وجہ سے نظر ہی نہیں آتیں۔ انہیں کبھی یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کبھی بے بس یا غلطی پر بھی ہو سکتے ہیں۔ مزید برآں، چونکہ انہیں خود پر مکمل اعتماد ہوتا ہے، وہ بھی بھی برے کام کرنے سے گھبراتے یا ہچکچاتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس طرز کو قرآن پاک میں ''سرکشی'' قرار دیتا ہے:

☆...... ''ہاں ہاں! بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے۔'' (سورۃ العلق۔ آیات:۶۔۷)

جیسے یہ لوگ خود کو قطعی خود مختار تصور کرتے ہیں اسی طرح وہ خود کو اپنے اعمال کے نتائج سے بھی آزاد سمجھتے ہیں۔ اسی لیے وہ اپنی گستاخانہ روش پر قائم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر جس قدر مہربان ہوتا ہے وہ اتنے ہی گستاخ اور خودسر ہوتے جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ ان کا امتحان لے رہا ہے کیونکہ وہ اپنے اس بے لگام طرز عمل میں جس قدر آگے بڑھتے جائیں گے ان کیلئے جہنم کے عذاب میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا۔

☆...... ''اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان سے دنیا میں اور نکلے ان کا سانس اس حالت میں کہ وہ کافر ہوں۔''

(سورۃ التوبۃ۔ آیت:۸۵)

چونکہ وہ اس حقیقت سے واقف نہیں ہوتے اس لیے وہ ان مواقع اور ذرائع کو، جو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب سے بچانے کیلئے عطا کرتا ہے، غلط طور پر استعمال کرتے چلے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ سوچتے ہیں کہ ایک اچھے ماڈل کی پر آسائش کار انہیں حادثات، زخمی ہونے اور موت سے بچائے گی۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ایک مضبوط اور پختہ عمارت انہیں زلزلوں، طوفانوں یا حملوں سے محفوظ رکھے گی۔ بیشک کوئی بھی شخص ایک پختہ اور مضبوط عمارت میں ہی رہنے کو ترجیح دے گا، تاہم سچ تو یہ ہے کہ دنیا کی مضبوط سے مضبوط عمارتیں بھی وقت آنے پر زمین بوس ہو جاتی ہیں۔

یہ لوگ سوچتے ہیں کہ اپنی صحت اور جسمانی حالت کے حوالے سے ہر طرح کے حفاظتی اقدامات کر لینے سے وہ بیماریوں سے بچاؤ کی طاقت حاصل کر لیں گے۔ مگر ان کی یہ مسلسل اور کبھی نہ ختم ہونے والی کوششیں قطعی بیکار ہیں کیونکہ صرف ایک وائرس بھی ان لوگوں کے لیے اللہ کا عذاب بن سکتا ہے۔ اسی طرح دماغ میں ایک چھوٹی سی خون کی نالی بھی ان لوگوں کے ابدی عذاب کا آغاز بن سکتی ہے۔ کوئی دوسرا انسان یا کوئی دوسری طاقت، کسی کو اللہ پاک کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

☆...... "اور وہ (بدنصیب) اترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے (سورہ طٰہٰ۔ آیت:۸۱)

جو لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے وہ موت کی قطعی حقیقت تک کو قبول نہیں کرتے۔ ان لوگوں کیلئے کسی قریبی نوجوان شخص کی موت یا لوگوں کی نظر میں کسی بے حد اہم شخصیت کی اچانک موت، وقتی طور پر اعصاب شل کر دینے اور ہلا کر رکھ دینے والی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی صحت مند اور قابل رشک شخص کا اچانک دنیا سے روپوش ہو جانا، موت کو بھلا دینے والے لوگوں کیلئے بھی اثر انگیز واقعہ ہوتا ہے۔

اسی طرح، ایسے دوست کو، جسے وہ ایک دو دن پہلے بالکل تندرست وتوانا حالت میں ملے ہوں، کسی سڑک کنارے، گاڑی کی زد میں آکر مردہ حالت میں پڑے پانا اور اسے مردوں کیلئے مخصوص سیاہ باڈی بیگ میں سر سے پاؤں تک بند بے یار و مددگار دیکھنا، ذہنوں میں ایسی بہت سی باتیں یاد کراتا ہے جنہیں وہ بھولنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ کسی اپنی ہی عمر، طبقہ اور طرز زندگی رکھنے والے شخص کو سڑک پر ہجوم کے درمیان بے یار و مددگار دیکھنا، ان کے دلوں کو اس احساس سے بھر دیتا ہے کہ انہوں نے اپنی موت اور آخرت کیلئے کوئی تیاری نہیں کر رکھی اور موت انہیں بھی اسی طرح اچانک کسی بھی وقت گرفت میں لے سکتی ہے۔ صرف دو دن پہلے تک وہ اپنے ڈیزائنر کو لباس کے بارے میں مشورے دیتے اپنی پیشہ ورانہ خواہشات کا اظہار کرتے اور دینی فرائض کی ادائیگی کیلئے وقت نہ ہونے کا بہانہ بنا کر مذاق کرتے رہے ہوں گے۔ مگر بالکل اچانک، اپنے دوست کو ایسی حالت میں دیکھنے پر ان کی ذہنی حالت بالکل ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس مردہ حالت میں پڑے شخص کی ''متاع'' اس کا چشمہ جو سڑک پر ٹوٹا پڑا ہے، اس کے مڑے تڑے جوتے اور جدید فیشن پر مبنی اس کے گرد آلود لباس تک ہی محدود رہ جاتی ہے۔ اس کے مردہ جسم کو جلدی سے ہسپتال کے مردہ خانے میں لے جایا جاتا ہے تا کہ وہ تعفن نہ چھوڑ دے اور پھر اسے دیگر مردہ جسموں کے ساتھ رکھ دیا جاتا ہے۔ جو شخص ان لوگوں کیلئے باعث رشک تھا، صرف دو دن بعد انہی لوگوں کے سامنے وہ شخص سفید کفن میں لپٹا زمین میں کھدی قبر میں چلا جاتا ہے۔

مگر پھر بھی ان میں سے اکثر لوگوں کیلئے یہ خوف بھی انتہائی قلیل وقتی ہوتا ہے۔ بہت ہی تھوڑے وقت میں وہ واپس اپنی پہلی ذہنی حالت کی طرف لوٹ جاتے ہیں، یہ سوچتے ہوئے کہ موت ''ان کے سوا'' ہر دوسرے شخص کو آ لے گی۔ اپنے ارد گرد لوگوں کو مرتے دیکھنے کے باوجود، یہ جاننے کے باوجود کہ حیات بعد از موت ان کی منتظر ہے، اپنے بدنوں کو عمر کے ساتھ کمزور ہوتا دیکھنے کے باوجود اپنے انجام کو آہستہ آہستہ قریب آتے دیکھنے

کے باوجود یہ لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے اور موت کے بارے میں سوچنے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ اسی لیے وہ اپنی باقی بچی مہلت حیات میں اپنے اعمال کو درست کرتے اور اللہ کی رسی کو تھامنے کی بجائے' ہر لحہ بڑھتی غفلت کا انتخاب کرتے ہیں۔

خوف اور پریشانیوں سے بھری زندگیاں:

جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور اُس (اللہ) سے نہیں ڈرتے، اُن کیلئے پوری دنیا اتفاقات اور نامعلوم مادوں سے بنی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز اتفاق سے ہوتی ہے اور ان کے اردگرد پیش آنے والے واقعات بلا کسی وجہ اور سبب کے رونما ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ وہ کبھی بھی حقیقی سکون اور آسودگی کی حالت کو نہیں پا سکتے کیونکہ وہ کسی بھی لمحے کسی اچانک بد قسمتی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو مستقبل کے بارے میں کبھی نہ ختم ہونے والی پریشانیاں اور خوف لاحق ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ، وہ کسی بھی وقت بیماری کا شکار ہو سکتے ہیں، اپنی دولت سے محروم ہو سکتے ہیں، یا پھر شاید کوئی ناگہانی آفت ان یا انہیں کے پیاروں کو تباہ و برباد کر سکتی ہے چونکہ اُن کے خیال میں یہ واقعات یونہی بغیر کسی وجہ کے پیش آسکتے ہیں اس لیے یہ لوگ ہر وقت پریشانیوں اور ان آفات سے دوچار ہونے کی فکر میں گرفتار رہتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر، جو بات ان کی حالت کو مزید خراب کرتی ہے وہ یہ جاننا ہے کہ ان آفات کے مقابلے میں وہ بالکل بے بس ہیں۔ اس احساس سے وہ خود کو زیادہ بے یارومددگار اور نا اُمید پاتے ہیں۔

صرف اللہ سے ڈرنے والا شخص ہی اس طرح کے خوف اور پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ پر ایمان اور اُس (اللہ) کا خوف، دوسرے ہر طرح کے خوف سے انسان کو آزاد کر دیتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والا جانتا ہے کہ اللہ پاک ہی ہر شے کا خالق و مالک ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی واقعہ رونما نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ضرور مدد فرماتا ہے اور انہیں اپنی پناہ میں رکھتا ہے جو اُس (اللہ) پر پختہ

ایمان اور بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس بات پر یقین اُسے (اللہ سے ڈرنے والے کو) ہر طرح کے خوف اور پرفریب سہاروں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ قرآن پاک واضح فرماتا ہے کہ:

☆...... "بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال، ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بدخو ہیں اور ایک غلام ہے جو پورا ایک مالک کا ہے۔ کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے؟ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔" (سورۃ الزمر۔ آیت: ۲۹)

جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے، انہیں کئی چیزوں اور لوگوں کے حوالے سے مختلف قسم کے خوف کا ایک ساتھ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کے بارے میں کبھی نہیں سوچتے مگر اپنے افسران کے والدین، شریک حیات اور ایسے دوسرے افراد کے سامنے جواب دہی کے بارے میں ہمہ وقت محتاط رہتے ہیں۔

جب خوف کا وہ احساس جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ہونا چاہیے، اُس (اللہ) کی مخلوق سے جوڑ لیا جائے تو پھر انسان غیر ضروری عہدوں اور لوگوں کے حوالے ہو جاتا ہے حالانکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی وہ ہستی ہے جس سے ڈرنا واجب ہے۔ اللہ ہی ہر طاقت وقوت کا مالک ہے۔ ہر شے اسی (اللہ) کے قابو میں ہے اور اُسی (اللہ) کی مرضی سے رونما ہوتی ہے۔ کوئی بھی شے اُس (اللہ) کے حکم اور علم کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ اللہ کی منظوری کے بغیر کوئی چیز کسی انسان کو نقصان بھی نہیں پہنچا سکتی۔ اس لیے اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جس سے ڈرا جائے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا کہ جو لوگ اللہ کی بجائے دوسرے لوگوں سے ڈرتے ہیں وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں ان لوگوں (جن سے وہ اللہ کی بجائے ڈرتے ہیں)

کی دولت اور طاقت اللہ کی دسترس سے آزاد اور ہمیشہ قائم رہنے والی لگتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے انکار اور اس (اللہ) کی مخلوق سے مدد چاہنے کی فاش غلطی کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں، نہ صرف اُنہیں وہ مدد نہیں ملتی جسے وہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں بلکہ ان لوگوں کی کم علمی، بے عقلی اور دیگر انسانی کمزوریوں کے باعث جن پر وہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بھروسہ کرتے ہیں، ان کی پوری زندگیاں عبرت کا نشان بن جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ اُس (اللہ) کے سوا کسی سے نہ ڈریں:

☆ ...... ''پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت سے......'' (سورۃ المائدۃ۔ آیت:۴۴)

☆ ...... ''......سو نہ ڈرو تم ان سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرا کرو تا کہ میں پورا کر دوں اپنا انعام تم پر، تا کہ تم راہ راست پر ثابت قدم رہو۔'' (سورۃ البقرہ۔ آیت:۱۵۰)

ان کا غیر محتاط رویہ اور ناشکرا پن:

قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی ناشکریوں کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے نہیں ڈرتے، مگر شاید سب سے زیادہ ذکر بنی اسرائیل کے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے پیغمبروں کے سامنے غیر محتاط رویے اور ناشکر گزاری کا آیا ہے۔

بنی اسرائیل کو ایسی نعمتوں سے نوازا گیا تھا جو ان سے قبل کسی قوم کو عطا نہیں کی گئی تھیں۔ انہیں بے شمار معجزات دکھائے گئے اور انہی کی قوم میں سے پیغمبروں کے ذریعے ہدایات پہنچائی گئیں مگر اس کے باوجود، ان میں باغیانہ اور اللہ کی نافرمانی کرنے والے عناصر موجود رہے جن کی وجہ سے ان پر ان سب باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ اللہ پر سچے ایمان اور اُس (اللہ) کی

حقیقی اطاعت کرنے کی طرف نہیں آئے۔ جب ان پر اللہ کا قہر نازل ہوا تو پھر وہ توبہ طلب کرنے لگے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان پر سے اپنا عذاب ہٹالیا تو وہ دوبارہ اپنے برے اعمال کی طرف راغب ہو گئے۔ بنی اسرائیل کے مکار اور فریبی لوگ اپنے ذاتی مفادات اور ذاتی مقاصد کے حصول میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین اور اس (اللہ) کے فرائض کی ادائیگی میں قطعی مخلص نہ تھے۔

ناشکرے پن کا انتہائی مظاہرہ کرتے ہوئے، انہوں نے اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ترک تعلق کر لیا اور انہیں ان کی جدوجہد کے انتہائی اہم مرحلے میں تنہا چھوڑ دیا اور خود کو بہتر طرز زندگی دینے اور آسائشیں حاصل کرنے میں مگن رہے۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہ کرتے ہوئے، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف انتہائی گستاخانہ اور ناشکری پرمبنی طرز عمل کا مظاہرہ کیا:

☆...... "کہنے لگے، اے موسیٰ علیہ السلام ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں، پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔"

(سورۃ المائدۃ آیت:۲۴)

اس مثال سے واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتے، چنانچہ جب ان کی راہ میں کوئی بھی ایسی چیز آتی ہے جو ان کے ذاتی مفاد کے خلاف ہو تو وہ فوراً اللہ اور دین سے باغیانہ روش اختیار کر لیتے ہیں۔ جیسے کہ بنی اسرائیل نے اپنے سب سے بڑے دشمن فرعون مصر کے حملے کے خلاف اللہ اور اس کے پیغمبروں کی طرف سے ملنے والی مدد و حفاظت، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں اور بار بار ایمان لانے اور ابدی پناہ حاصل کرنے کی دعوت کے باوجود، اس سب کو ایک لمحہ میں بھلا دیا۔

خوف الٰہی نہ رکھنے والوں کو کیسے مصائب بھگتنا پڑتے ہیں

زمین پر پیش آنے والے مصائب:

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور احکامات الٰہی کے بارے میں فکر مند نہیں رہتے، اللہ پاک انہیں اسی دنیا میں جسمانی اور ذہنی تباہی میں مبتلا کر دے گا۔ حقیقتاً ان کی زندگیوں کو جسمانی اور جذباتی تباہی کا نمونہ بنا دیا جائے گا۔

اُن کی تمام تر بداعمالیوں کے باوجود ان میں سے کچھ خود کو اس حقیقت کے بل پر دھوکہ دیتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے دولت اور اچھی شکل وصورت جیسی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی باغیانہ روش میں آگے بڑھتے جاتے ہیں، خود کو یہ کہہ کر بیوقوف بناتے ہوئے کہ ان کیلئے اعمال کو بہتر بنانا ممکن ہی نہ تھا۔ مگر وہ اس بات سے بے خبر رہتے ہیں کہ ہر کام جو وہ کرتے ہیں سیکنڈ بہ سیکنڈ ریکارڈ کیا جاتا ہے اور جہنم میں اللہ تعالیٰ انہیں ان سب اعمال کا ریکارڈ دیکر ابدی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حالت کو قرآن مجید میں یوں بیان فرماتا ہے:

☆...... ''پس (اے محبوب) رہنے دو انہیں اپنی مدہوشی میں کچھ وقت تک۔
کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں۔''

(سورۃ المومنون۔ آیات: ۵۴۔۵۶)

تاہم ان سب لوگوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ نہ ہوگا ان میں سے کچھ اسی دنیا میں عذاب کا مزا چکھیں گے۔ وہ بیماریوں' حادثات، معذوری، مالی نقصانات اور اپنے پیاروں کے بچھڑنے جیسے مصائب کا شکار ہو کر مستقل عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ چونکہ وہ ان واقعات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان سمجھ کر ان پر غور نہیں کرتے، اس لیے ان واقعات کے نتیجے میں ملنے والی تکلیف اُن کیلئے ایک قسم کا عذاب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے اپنی رحمتوں کے دروازے بند کر دیتا ہے اور وہ ہمہ وقت مصائب اور پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ چھوٹے بڑے جس بھی معاملے میں شامل ہوں، اس کا نتیجہ مالی نقصان یا ذہنی پریشانی کا باعث ہی بنتا ہے۔ اسی لیے اللہ پاک قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا ''اجر'' مصائب سے پُر زندگی ہوگی:

☆...... ''اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے، تو اس کے لیے زندگی (کا جامہ) تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔'' (سورہ طٰہٰ۔ آیت:۱۲۴)

جو لوگ خدائے بزرگ و برتر کا خوف نہیں رکھتے اُن کی روح کی سیاہی کا عکس ان کے چہروں پر صاف دکھائی دیتا ہے۔ جب روحانی نور کی اس کمی میں ان کی بدزبانی بھی شامل ہو جاتی ہے تو ان کے وجود کی تکلیف دہ حالت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ وہ روحانی انحطاط اور بربادی کا جیتا جاگتا نمونہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت کو قرآن مجید میں ''رسوائی'' قرار دے کر واضح فرماتا ہے۔

☆...... ''اور جنہوں نے برے کام کیے، تو برائی کی سزا اس جیسی ہوگی۔ اور چھا رہی ہوگی ان پر ذلت، نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا۔ گویا ڈھانپ دیے گئے ہیں ان کے چہرے کالی رات کے کسی ٹکڑے سے، یہی دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ

رہیں گے۔" (سورہ یونس۔ آیت: ۲۷)

ایک اور مصیبت جس کا ان لوگوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ ہے، ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا چھین لیا جانا۔ وہ بالکل واضح حقائق کو بھی سمجھ نہیں پاتے۔ مثال کے طور پر، وہ اپنی...... خوف غم، پریشانی اور جھنجلاہٹ کی حالتوں کے پس پردہ وجوہات کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔

ایسے لوگوں کا عذاب، جو اللہ سے نہیں ڈرتے، کبھی نہ ختم ہونے والا اور بے شمار اقسام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ اُسے (انسان کو) کیا چیز سب سے زیادہ تکلیف پہنچا سکتی ہے۔ چنانچہ ہم اللہ کی ناراضگی کی صورت میں حاصل ہونے والی تکلیف اور کرب کے محض تصور ہی کی کوشش کر سکتے ہیں۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ، صحیح الدماغ لوگ کبھی بھی ایسا طرز عمل اور برتاؤ اختیار نہیں کرینگے جو اللہ پاک کے عذاب کا سبب بن جائے۔ انسان کا روز مرہ کی معمولی مشکلات سے نپٹنے کے قابل نہ ہونا، اُس کی کمزوریوں کا واضح ثبوت ہے۔ مثال کے طور پر، یہ بالکل ناقابل فہم بات ہے کہ انسان ناقابل برداشت درد سے بے حال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح، یہ بھی بالکل سچ ہے کہ کسی شخص کو، خواہ وہ کافی فاصلے پر ہی ہو، تکلیف کے مارے چلاتے سن کر ہم تڑپ اٹھتے ہیں اور ہمیں اپنی بے بسی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ انسانوں کو روحانی اور جسمانی تکالیف، خوف یا پریشانی کے خاتمے کے قابل نہیں بنایا گیا۔ ہم زیادہ دیر تک تنگ جگہ پر اکڑوں نہیں بیٹھ سکتے، دل خراب کرنے والی بو برداشت نہیں کر سکتے، پیٹ درد یا دانتوں کی تکلیف ہمیں نڈھال کر دیتی ہے۔ خواہ یہ تکالیف اُس عظیم عذاب کی قسم نہیں بلکہ معمولی مصائب اور زندگی کا حصہ ہی ہوں۔

ان واضح حقائق کے باوجود، لوگ اپنی غفلت اور بے توجہی کے باعث، اللہ کا خوف رکھے بغیر زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔ اس دنیا میں ان لوگوں کو جن جسمانی اور

ذہنی تکالیف و پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان کے لیے مختص عذاب جہنم کی صرف ایک ادنیٰ مثال ہیں اور ان کا مقصد دراصل ان لوگوں کو خبردار کرنا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی لامحدود طاقت اور حاکمیت کا خیال نہیں کرتے، مگر جب موت انہیں آ دبوچے گی، تب انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور طاقت کا پوری طرح احساس ہو گا۔ اس وقت انہیں ایک ایسا ناقابل بیان خوف اپنی گرفت میں لے لیگا، جس کا زمین پر موجود دوسری کسی چیز سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

ایسے لوگوں کو انفرادی طور پر ملنے والی سزاؤں کے علاوہ قرآن مجید میں نافرمان لوگوں کے گروہوں (اقوام) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی اجتماعی سزاؤں کی بھی متعدد مثالیں بیان کی گئی ہیں، جن کے نتیجے میں ایسے لوگوں کا نام و نشان تک صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ ان لوگوں کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی اور اُن (لوگوں) کی نافرمانی کے باعث نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض نافرمان اقوام کو سبق سکھانے کیلئے طوفانی ہوائیں بھیجیں، جو ان کے گھروں کو اُڑا لے گئیں، کچھ دوسری اقوام کی طرف اللہ پاک نے ایسے جھکڑ بھیجے جنہوں نے ان کی پوری پوری بستیوں کو زمین بوس کر دیا۔ ایسے زلزلے آئے کہ، کئی اقوام اپنی تمام تر دولت کے ساتھ زمین میں دفن ہو گئیں، بعض دوسری اقوام کو پانی میں غرق کر دیا گیا اور بعض لوگوں کو گرم لاوے میں ڈال کر پتھروں میں تبدیل کر کے ہمیشہ کیلئے مثال بنا دیا گیا۔ (مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے "Perished Nations" مصنف: ہارون یحییٰ۔ طہٰ پبلشرز لندن۔ پانچواں ایڈیشن، 2003)۔

آخرت میں اُن کی حالت:

انسان، اس دنیا میں ایک محدود عرصہ حیات لے کر آتا ہے، اوسطاً تقریباً 60 سے 70 برس۔ پلک جھپکتے میں انسان کی زندگی کے 50 برس گذر جاتے ہیں۔ اس دوران وہ تعلیم

مکمل کرتا ہے، نوکری حاصل کرتا ہے، گاڑی خریدتا ہے، شادی کرتا ہے، گھر بناتا ہے، اس کے ہاں بچے جنم لیتے ہیں اور پھر ...... اُس کے بدن پر جھریاں پڑنے لگتی ہیں ...... یوں پچاس برس گذر جاتے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلتا۔ باقی بچے تقریباً دس برسوں میں، انسان موت کو قریب آتا محسوس کرنے لگتا ہے۔ مگر، جو بات حیران کن اور افسوسناک ہے، وہ یہ کہ بعض لوگ اس عمر تک پہنچنے کے باوجود بھی موت سے فرار تلاش کرتے رہتے ہیں اور اپنے باقی بچے چند سال بھی موت کے بارے میں سوچے بغیر دنیا کی طرف مائل رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے:

☆ ...... ”(اس دن) یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے، جس دن آئینگے ہمارے پاس، لیکن یہ ظالم آج تو کھلی گمراہی میں ہیں۔ اور اے نبی کریم! آپ ڈرایئے انہیں حسرت وندامت کے دن سے جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائیگا اور آج یہ لوگ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔“ (سورہ مریم۔ آیات: ۳۸۔۳۹)

یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیاوی زندگی کے خاتمے پر باآسانی ان کی روح کو ابدی سکون کے مقام پر منتقل کر دیا جائے گا، مگر انہیں ایک تکلیف دہ حقیقت کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ ان کے خیال کے برعکس، جب انہیں اس کی توقع بھی نہیں ہوتی، ان پر مقرر کردہ موت کے فرشتے انہیں آلیتے ہیں۔ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہر حال میں بجالاتے ہیں اور ان پر گڑگڑانے اور التجا کرنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جب موت کے فرشتے ایسے لوگوں کی پشت پر ضربیں لگاتے ہوئے، انتہائی تکلیف دہ طریقے سے ان کی روحیں نکالنے لگتے ہیں، تو وہ خوب اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں کہ اب ان سے کیا سلوک ہونے والا ہے:

☆ ”اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر اور (کہتے

ہیں اب) چکھو آگ کا عذاب۔" (سورۃ الانفال۔آیت:۵۰)

منکرین کا جرم بہت بڑا اور نا قابل معافی ہے کیونکہ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں بلکہ اپنی روش پر قائم رہ کر خود کو بے حد طاقتور اور اللہ کی پکڑ سے آزاد سمجھتے ہیں، اسی لیے ان کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہوگا۔ ان کیلئے موت سے فرار یا بچاؤ کا کوئی راستہ نہ ہوگا، مختصراً یہ کہ ان کے پاس معافی یا مدد کا کوئی ذریعہ نہ بچے گا۔ یہ اس لیے ہوگا، کیونکہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، جس نے ان کے سمیت ہر شے کو پیدا کیا، جو ہر شے کا حقیقی مالک، لامحدود علم اور طاقت رکھنے والا اور پوری کائنات کا حاکم ہے۔

یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے، اس لیے آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں ایسے خوف میں مبتلا کر دے گا، جس سے انہیں کبھی واسطہ نہ پڑا ہوگا۔ وہ چاروں طرف سے خوف، ڈر اور دباؤ میں گھرے ہوں گے اور ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے:

☆ ...... "آپ دیکھیں گے ظالموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے ان (کرتوتوں) سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا، ......"
(سورۃ الشوریٰ۔آیت:۲۲)

وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگیاں غفلت میں ڈوبے ہوئے گزاریں اور جن کا انجام تیزی سے ان کی طرف آرہا ہے، انہیں بالآخر ایک کبھی نہ ختم ہونے والے خوف اور ڈر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کی زندگیاں دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیار کیے گئے خوفناک انجام کا پیش خیمہ ہیں، (اللہ تعالیٰ) کے فرمان کے مطابق "وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کیلئے جب کہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔" (سورہ ابراہیم ۔آیت:۴۲)۔ روز حساب، انہیں جس خوف کا سامنا کرنا پڑے گا، وہ (خوف) بوکھلاہٹ اور پراگندگی لیے ہوئے ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید میں واضح کیا گیا ہے:

☆ ...... "اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرا جائے گا ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، مگر جنہیں خدا نے چاہا (وہ نہیں

گھبرائیں گے) اور سب حاضر ہونگے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے۔" (سورۃ النمل۔آیت:۸۷)

روزِ حساب جب سب لوگ عجب ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہوں گے، حاملہ عورتیں خوف کے باعث اپنا حمل کھودیں گی۔ اس روز ایسا خوف لوگوں کو گرفت میں لے لیگا جوان کے دماغ ماؤف کردیگا:

☆...... "اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے، بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائیگی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لختِ جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا، اور گرادے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہونگے بلکہ عذابِ الٰہی بڑا سخت ہوگا۔" (سورۃ الحج۔آیات:۱۔۲)

یہ تو بس شروعات ہوگی۔ ان لوگوں کو اس کے بعد ایسی ایسی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا تصور بھی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ، جو لامحدود طاقت اور عظیم انصاف کا مالک ہے، وہ ان لوگوں سے بدلہ لے گا اور اپنے وصف "منتقم" یعنی "بدلہ لینے والا" کو آشکار کرے گا۔ اس وقت، نافرمان لوگوں کے چیخنے، چلانے، گڑگڑانے، تڑپنے، بھیک مانگنے، پچھتانے یا مغفرت طلب کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کوئی اس وقت ان نافرمان منکرین کی مدد نہ پائے گا۔ پھر وہ کچھ بھی کریں، کوئی فرق نہیں پڑے گا، پھر چاہے وہ اپنے گناہوں کو قبول کر کے انہیں صدقِ دل سے سدھارنا چاہیں، پھر چاہے وہ بالکل پختہ عزم اور سچے ہی کیوں نہ ہوں...... اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس بیکار کوشش کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

☆...... "اس میں داخل ہو جاؤ، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو دونوں برابر ہیں

تمہارے لیے۔ تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔"

(سورۃ الطور۔ آیت:۱۶)

اس مرحلہ پر، لوگوں کیلئے واپسی کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ جب وہ دنیا میں تھے تو انہیں پوری زندگی لاتعداد نصیحتوں اور تنبیہات کے ذریعے یاد دھانیاں کرائی جاتی رہیں۔ مزید براں، انہیں بے شمار، ذرائع اور وسائل بھی فراہم کئے گئے، اور انہیں صرف اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے احتیاط سے زندگی بسر کرنا تھی۔

روز قیامت، یہ لوگ اللہ کی رحمت کیلئے گڑگڑائیں گے، حالانکہ جب وہ دنیا میں تھے تو ان کے غرور اور خود سری نے انہیں اللہ کو پکارنے سے روکے رکھا، انہیں موت اور آخرت میں حساب کتاب کیلئے تیاری کرنے سے روکے رکھا۔ چنانچہ، قیامت کے دن انہیں منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جاء عذاب کی طرف لیجایا جائیگا جہاں وہ جسمانی اور ذہنی دونوں طرح کے عذاب کا مزہ چکھیں گے اور اس عذاب کی شدت کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا۔

جب منکرین کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو ان کا تکبر یک دم غائب ہو جائے گا اور وہ انتہائی دردناک حالت اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں گے۔ انہیں جہنم کی طرف دھکیل دیا جائیگا اور پیچھے سے جہنم کے دروازے بند کر دیے جائیں گے، اور وہاں انہیں اس تکلیف اور دہشت بھری صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا جسے بیان کرنا قطعی ناممکن ہے، اس کے بعد انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ دنیا کی کسی تکلیف کا جہنم کے عذاب سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے عذاب کو تمام عذابوں سے زیادہ دردناک بنایا ہے:

☆...... "پس، اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا۔"

(سورۃ الفجر۔ آیات:۲۵۔۲۶)

اُنہیں ایک طرف جسمانی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا اور دوسری طرف ذہنی اذیت انہیں بے حال کر دے گی۔ انہیں مستقلاً ذلیل ورسوا کیا جائے گا اور ان کے ساتھ بے حد برا سلوک ہوگا۔ یہ جان کر کہ وہ کبھی جہنم سے نجات نہ پا سکیں گے، ناامیدی کا احساس ان کی روح تک کو لپیٹ میں لے لیگا اور انہیں ابدی خوف، دہشت اور کبھی نہ ختم ہونیوالے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حاصلِ بحث

غور کیجئے!

انسان کی زندگی میں کیا تبدیلی رونما ہو اگر اُسے دنیاوی زندگی کے دوران ہی جہنم کے عذاب کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی اجازت مل جائے، وہ...... جہنم کی آگ کے بڑھکتے ہوئے شعلوں، گنہگاروں کی پاگل کر دینے والی فریادوں، ان کی ناقابل برداشت چیخ وپکار، اُن کے سانسوں کے بند ہونے اور واپس زمین پر جانے کیلئے بھیک مانگنے جیسے مناظر کو جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

بلاشبہ، یہ مناظر دیکھنے والا شخص ایک بالکل نیا انسان بن جائیگا وہ اپنی پوری زندگی کو از سر نو ترتیب دے گا۔ پھر تو اس کے گرد گرد موجود دوسرے لوگوں کا اس حقیقت سے غافل ہونا بھی اسے آخرت کیلئے ہر ممکن حد تک تیاری کرنے کے راستے سے نہ ہٹائے گا۔ وہ شخص ہر اس کام سے دور ہو جائے گا جو اللہ کے غضب کا باعث ہو اور ہر ممکن حد تک اچھے اعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے گناہ یا کوئی ایسی بات کرنے کے تصور ہی سے کانپ اٹھے گا، جو آخرت میں اس کیلئے باعث عذاب بن جائے۔ وہ شخص فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ اور مغفرت طلب کرنے لگے گا۔ دراصل انسان جو مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور جو آوازیں اپنے کانوں سے سنتا ہے، ان کا تاثر ہمیشہ اس کے دماغ پر نقش رہتا ہے، اسی لیے جہنم کے دردناک مناظر کو دیکھنے اور سننے کے بعد ان کا اثر بھی ہمیشہ قائم رہے گا اور وہ شخص ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے خود کو ایسے عذاب سے بچانے کی فریاد کرتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت پانے اور اُس (اللہ) کے عذاب سے خود کو بچانے کیلئے وہ شخص

اپنی پوری زندگی، مال و دولت اور قوت...... اللہ کی راہ میں نچھاور کردے گا۔ سب سے بڑھ کر وہ...... موت کے بارے میں پر یقین، پختہ عزم اور ہمہ وقت تیار رہے گا، اور یوں اس کے لیے مشکل ترین مرحلہ (موت) بھی قابل برداشت بن جائے گا۔ کوئی شخص اسے اس کے مقصد سے نہیں ہٹا سکے گا، وہ اللہ کی رضا کے حصول کی راہ میں کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے پر تیار نہ ہوگا۔ دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں، ان کا طرز زندگی کیسا ہے، وہ کن عقائد پر عمل پیرا ہیں...... ان باتوں سے اُسے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ اپنی تمام تر قوتوں اور بھرپور کوشش کو بروئے کار لاکر وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کے حصول کیلئے کوشاں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور پابندیوں کے بارے میں محتاط ہونے کی وجہ سے وہ انہیں دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرے گا اور ہر ملنے والے شخص کو زندگی کی حقیقت سے آگاہ اور خبردار کرے گا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد اور زندگی کی اہم ترین خواہش...... بس اللہ کی دوستی کا حصول اور خود کو اُس (اللہ) کی مکمل اطاعت میں دینا ہوگا۔ وہ اس ڈر اور خوف کا جیتا جاگتا نمونہ ہوگا جو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے:

☆...... "کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور کوئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوف الٰہی سے......" (سورۃ البقرہ۔ آیت:۷۴)

اب ذرا اس بات پر غور کیجئے! کہ کیا صرف یہ بات لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے اس طرح سے ڈرنے سے روک رہی ہے جیسے کہ انہیں معاملات زندگی میں اُس (اللہ) سے ڈرنا چاہیے کہ...... انہوں نے جہنم کو نہیں دیکھا...... حالانکہ ان کیلئے یہ کافی ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بار بار قرآن مجید میں تمام تر تفصیلات بیان کرتے ہوئے لوگوں کو خبردار اور جہنم کے عذاب سے آگاہ کیا ہے۔

جب وقت آئیگا تو ہر کوئی جہنم کو دیکھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو قطعی اور

بالکل واضح قرار دیا ہے۔ صرف خوف خدا رکھنے والے عذاب جہنم سے محفوظ ہوں گے، دیگر تمام لوگوں کو گھٹنوں کے بل (جہنم) میں چھوڑ دیا جائے گا:

☆...... ''اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا۔ یہ آپ کے رب پر لازم ہے (اور اس کا) فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم نجات دینگے پرہیزگاروں کو اور رہنے دینگے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہونگے۔'' (سورہ مریم۔ آیات: ۷۱۔۷۲)

پھر یہ کہ، اس وقت جہنم کو دیکھنے سے کوئی فائدہ یا نفع نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے بعد انسان واپسی کا ہر راستہ کھو دیگا......۔

نظریہ ارتقاء کی فریب کاریاں

ڈاروزم یا دوسرے الفاظ میں نظریہ ارتقاء...... دراصل انسانی تخلیق کی حقیقت کو جھٹلانے کے مقصد سے پیش کیا گیا تھا مگر حقیقتاً یہ نظریہ ایک ناکام، غیر سائنسی بکواس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ نظریہ جو دعویٰ کرتا ہے کہ زندگی کی ابتداء اتفاقاً ایک بے جان مادے (Matter) کے ذریعے ہوئی تھی، اب اس پوری کائنات اور جاندار اشیاء کے واضح اور بنیادی ''ڈیزائن'' کی سائنسی شہادتوں کے بعد ناکام ہو گیا ہے۔ اس طرح سائنس نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات تخلیق کی اور اس پر موجود ہر شے بھی اسی کی پیدا کردہ ہے۔ آج نظریہ ارتقاء کو زندہ رکھنے کیلئے جو پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے وہ دراصل سائنسی حقائق کی توڑ مروڑ، تعصب پر مبنی وضاحتوں اور سائنس کو جھوٹ اور غلط تصورات کا لبادہ اوڑھائے مواد پر مبنی ہے۔

ظاہر ہے ''ڈاروزم'' کے پیروکاروں کا یہ پراپیگنڈہ سچ پر پردہ نہیں ڈال سکتا۔ اسی لیے سائنس کی دنیا میں گذشتہ 20 سے 30 سال کے دوران بار بار اس امر کا اظہار کیا گیا کہ نظریہ ارتقاء سائنسی تاریخ کی سب سے بڑی فریب کاری ہے۔ 1980ء کی دھائی کے بعد مرتب کی جانے والی تحقیق نے خاص طور پر واضح کیا کہ ''ڈاروزم'' کے تحت کیے گئے دعوے قطعی بے بنیاد ہیں۔ یہی حقیقت دوسرے کئی سائنسدانوں نے بعد ازاں بھی واضح کی۔ امریکہ میں خاص طور پر ''حیاتیات'' ''کیمیائی حیاتیات'' اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں کی تحقیقات نے ''ڈاروزم'' کے نظریات کو غلط ثابت کیا اور وہ سائنسدان اس نظریہ کی ناکامی کو تسلیم کرتے ہوئے ''زندگی کی ابتداء'' کو عقل پر مبنی مخصوص ''ڈیزائن''

کے تحت وجود دی گئی قرار دیتے ہیں۔ یہ "عقل پر مبنی ڈیزائن" دراصل اس حقیقت کا سائنسی اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات اور تمام جانداروں کو پیدا کیا ہے۔

ہم نے اپنے بہت سے امور کی انجام دہی کے دوران نظریہ ارتقاء کی ناکامی اور کائنات کی تخلیق کے ثبوت پائے ہیں اور مزید پا رہے ہیں۔ اس موضوع کی زبردست اہمیت کے پیش نظر اسے مختصراً یہاں بیان کرنا موثر ہوگا۔

ڈاروِنزم کا سائنسی انہدام:

اگر چہ اس نظریئے کی کڑیاں قدیم یونان تک جا پہنچتی ہیں، مگر نظریہ ارتقاء کی نمایاں ترقی اُنیسویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ سب سے اہم پیش رفت، جس نے اسے دنیائے سائنس کا اہم ترین موضوع بنا دیا، وہ چارلس ڈارون کی 1895ء میں شائع ہونے والی کتاب "انواع کی ابتداء" (The Origin Of Species) تھی۔ اس کتاب میں ڈارون نے اس حقیقت کو جھٹلایا کہ زمین پر پائی جانے والی جانداروں کی مختلف زندہ انواع خدا نے علیحدہ علیحدہ تخلیق کی ہیں۔ ڈارون نے دعویٰ کیا کہ تمام زندہ مخلوقات کا ایک مشترکہ جدامجد (Ancestor) ہے، اور اسی "جدامجد" نے وقت کے ساتھ چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں سے ہوتے ہوئے خود کو الگ الگ انواع میں تقسیم کر لیا۔ ڈارون کا نظریہ کسی ٹھوس سائنسی اصول، شہادت یا معلومات پر مبنی نہیں تھا، جیسا کہ اس نے خود تسلیم کیا ہے کہ یہ صرف ایک "مفروضہ" (Assumption) تھا۔ مزید براں، ڈارون نے اپنی کتاب کے ایک طویل باب "نظریئے کی مشکلات" (Difficulties Of Theory) میں اعتراف کیا کہ یہ نظریہ کئی تنقیدی سوالات کے سامنے ناکام رہا تھا۔

ڈارون نے اپنی تمام امیدوں کی بنیاد، مستقبل میں ہونے والی سائنسی دریافتوں پر رکھی، جن سے اسے توقع تھی کہ وہ اس کے "نظریئے کی مشکلات" حل کر دیں گی۔ تاہم اس کی امیدوں کے برعکس، سائنسی دریافتوں کے نتائج نے ان مشکلات میں مزید اضافہ کر

دیا۔ ڈارونزم کی سائنس کی بنیاد پرنا کامی کو تین بنیادی موضوعات کے اعتبار سے پرکھا جاسکتا ہے۔

1- یہ نظریہ کسی بھی طرح یہ نہیں بتا سکتا کہ زمین پر حیات کا ظہور اور ابتداء کیسے ہوئی؟"

2- نظریئے میں بیان کردہ "ارتقائی طریقہ کار" کے متعلق کوئی ایسا سائنسی ثبوت دستیاب نہیں جو یہ ثابت کر سکے کہ کوئی جاندار نوع کسی بھی قسم کی ارتقائی طاقت رکھتی ہے۔

3- رکازی ریکارڈ (Fossil Record) اس نظریئے کے بالکل الٹ ثابت ہوئے ہیں۔

درج ذیل حصے میں، ہم ان تین بنیادی نکات کو تسلیم شدہ اصولوں کے اعتبار سے بیان کریں گے:

پہلا نا قابل عبور قدم:

ابتدائے حیات

نظریہ ارتقاء کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تمام جاندار اشیاء ایک واحد زندہ خلیے سے ارتقاء پذیر ہوئیں جو زمین پر 3.8 بلین سال پہلے ظاہر ہوا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صرف ایک خلیہ کس طرح لاکھوں پیچیدہ زندہ اجسام کو عالم وجود میں لا سکتا ہے، اور اگر کوئی ایسا ارتقائی عمل وقوع پذیر ہوا ہی تھا تو اس کے رکازی ریکارڈ (Fossil Record) کی زمین پر کوئی نشانیاں کیوں دریافت نہیں ہوئیں؟ یہ چند ایسے سوالات ہیں، جن کا نظریہ ارتقاء کے پاس کوئی جواب ہی نہیں۔ پھر جو بات اس ضمن میں سب سے پہلے ذہن میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس فرضی ارتقائی عمل کے پہلے مرحلے میں، سب سے پہلا خلیہ کیسے وجود میں آیا؟

نظریہ ارتقاء تخلیق کی حقیقت سے انکار کرتا ہے، اور اس میں کسی مافوق الفطرت

قوت کی کاری گری کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کا مزید یہ دعویٰ ہے کہ زندگی کا ''اولین خلیہ'' قدرت کے قوانین کے تحت، بغیر کسی ڈیزائن، منصوبہ یا انتظامات کے اتفاقاً وجود میں آیا۔ اس نظریئے کے مطابق، بے جان شے یا مادہ نے اتفاقاً ایک زندہ خلیہ بنا دیا ہوگا۔ اس طرح کا دعویٰ بہر حال حیاتیات کے انتہائی مستند اور غیر متنازع اصولوں سے بھی متصادم ہے۔

جاندار اشیاء جانداروں ہی سے پیدا ہوتی ہیں:

ڈارون نے اپنی کتاب میں قطعاً زندگی کی ابتداء کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کے دور میں سائنس کی ابتدائی سوچ اس مفروضے پر مبنی تھی کہ جانداروں کی ساخت بہت سادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ نظریہ عام تھا کہ بے جان اشیاء باہم ایک جگہ جمع ہو کر زندہ اجسام کی تخلیق کا سبب بنتی ہیں۔ عمومی طور پر یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ بچی ہوئی غذا سے کیڑے مکوڑے، اور گندم سے چوہے وجود میں آتے ہیں۔ اس مفروضے کو ثابت کرنے کیلئے دلچسپ تجربات کیے جاتے تھے۔ ایک گندے کپڑے پر گندم کے کچھ دانے رکھے جاتے اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کچھ عرصے بعد اس سے چوہے پیدا ہو جائیں گے۔ اسی طرح گوشت میں پیدا ہونے والے کیڑوں کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ یہ خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر بعد ازاں یہ پتہ چل گیا کہ گوشت میں یہ کیڑے از خود پیدا نہیں ہوتے بلکہ مکھیاں انہیں لاروے (Larvas) کی صورت میں وہاں لاتی تھیں، جو اتنے چھوٹے ہوتے کہ عام آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ یہ لاوے بعد میں کیڑوں میں تبدیل ہو جاتے۔

جب ڈارون نے اپنی کتاب ''انواع کی ابتداء'' (The Origin of-Species) لکھی تو اس وقت بھی دنیائے سائنس میں یہ عقیدہ بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جاتا تھا کہ جراثیم بے جان مادے سے وجود میں آسکتے ہیں۔

تاہم، ڈارون کی کتاب کی اشاعت کے پانچ سال بعد لوئی پاسچر (Louis-Pasteur) کی دریافتوں نے اتفاقیہ تخلیق کے عقیدے کو جو ارتقاء کے نظریئے کا بنیادی

ماخذ تھا، باطل ثابت کر دیا۔ کافی طویل تجربات اور مطالعہ کے بعد لوئی پاسچر نے اُن کے نتائج پیش کیے تو ...... "یہ دعویٰ کہ بے جان اشیاء زندگی کو وجود بخش سکتی ہیں، انسانیت کی بھلائی کے لیے تاریخ کے صفحات میں دفن کر دیا گیا۔" 1864ء میں سوربورن میں اپنے ایک تاریخی لیکچر کے دوران پاسچر نے اپنے تجربات کے نتائج بیان کرنے کے بعد کہا:

"میرے سادہ تجربات کی لاثانی ضرب کے نتیجے میں "اتفاقیہ تخلیق" کا نظریہ کبھی دوبارہ سر نہیں اٹھا سکے گا۔"

نظریۂ ارتقاء کے پیروکاروں نے ایک لمبے عرصے تک پاسچر کے نتائج کیخلاف مزاحمت جاری رکھی۔ تاہم جب سائنس کی ترقی نے ایک زندہ جسم کے خلیے کی پیچیدہ ساخت کو بے نقاب کر دیا تو یہ خیال کہ زندگی اتفاقاً وجود میں آسکتی ہے، ایک لاینحل گتھی بن گیا۔

بیسویں صدی کی بے نتیجہ کوششیں:

وہ پہلا ارتقاء پرست، جس نے بیسویں صدی میں ابتدائے حیات کا موضوع چھیڑا، وہ روس کا مشہور حیاتیات دان الیگزینڈر اوپارن (Alexander Oparin) تھا۔ 1930ء کے عشرے میں اس نے اپنے مختلف مقالوں کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ایک زندہ جسم کا خلیہ اتفاق سے وجود میں آسکتا ہے۔ مگر اس کی تحقیقات ناکامی سے دوچار ہوئیں اور اوپارن کو درج ذیل اعتراف کرنا پڑا:

☆...... "بدقسمتی سے خلیہ کی ابتداء ایک ایسا سوالیہ نشان ہے، جو پورے نظریۂ ارتقاء کا تاریک ترین نقطہ ہے۔"[2]

اوپارن کے بعد آنے والے ارتقاء پرستوں نے اس "سوالیہ نشان" کے مسئلے کو حل کرنے کیلئے تجربات جاری رکھنے کی کوشش کی۔ ان تجربات میں مشہور ترین تجربات امریکی کیمیا دان سٹینلے ملر (Stanly Miller) نے 1935ء میں کیے۔ اس نے ایک تجرباتی

ماحول میں ان گیسوں کو یکجا کر کے جو اس کے بقول "ابتدائی زمین" (Primordial Earth) کی فضا میں پائی جاتی تھیں، اور ایک آمیزے میں توانائی شامل کر کے چند نامیاتی سالمے (Organic Molecules) امائنو ایسڈ (Amino Acid) بنائے جو لحمیات (Protein) کی ساخت میں شامل ہوتے ہیں۔

بمشکل چند سال گزرے ہوں گے کہ یہ تجربہ جو نظریہ ارتقاء کے ضمن میں اہم دلیل خیال کیا جا رہا تھا، غلط ثابت ہوا، کیوں کہ تجربے میں جو فضا استعمال کی گئی تھی، وہ اس وقت کی زمین کے حقیقی حالات سے بہت مختلف تھی۔[3]

ایک طویل خاموشی کے بعد، ملر نے تسلیم کر لیا کہ تجربے کے لیے جو فضائی اسباب اس نے استعمال کیے، وہ غیر حقیقی تھے۔[4]

بیسویں صدی میں ابتدائے حیات کی وضاحت کے ضمن میں ارتقاء پرستوں کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ سان ڈیگو سکرپس انسٹی ٹیوٹ سے تعلق رکھنے والے ارضیاتی کیمیا دان (Geochemist) جیفری بادا (Jeffrey Bada) نے 1998ء کے ارتھ میگزین میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں لکھا:

☆...... "آج جبکہ ہم بیسویں صدی سے نکل رہے ہیں، ہم بدستور اس عظیم سوال کا سامنا کر رہے ہیں، جو اس وقت ہمارے سامنے تھا، جب ہم بیسویں صدی میں داخل ہو رہے تھے، وہ یہ کہ، زمین پر زندگی کی ابتداء کیسے ہوئی؟"[5]

حیات کی پیچیدہ ساخت:

نظریہ ارتقاء کے زندگی کی ابتداء کے حوالے سے ایک بند گلی میں آ کر ٹھہر جانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ، بہ ظاہر سادہ ترین نظر آنے والے زندہ اجسام بھی انتہائی پیچیدہ ساخت رکھتے ہیں۔ ایک جاندار خلیہ، انسان کی وضع کردہ ٹیکنالوجی سے بنی ہر شے سے

زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے۔ حتی کہ آج بھی دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تجربہ گاہوں میں بھی بنیادی غیر نامیاتی مرکبات کو یکجا کر کے ایک زندہ خلیہ نہیں بنایا جا سکتا۔

ایک خلیہ کی تشکیل کیلئے درکار حالات وضروریات اس قدر زیادہ ہوتی ہیں کہ انہیں "اتفاقیہ" قرار دینا ناممکن ہے۔ پروٹین جو کہ خلیہ کی بنیادی اکائی ہے اور جو پانچ سو امائنو ایسڈز پر مشتمل ہوتی ہے، اس کے اتفاقاً وجود میں آنے کا امکان 10^{950} میں سے ایک بار ہوتا ہے، کیونکہ عام پروٹین 1500 "امائنو ایسڈ" کے ملنے سے بنتی ہے۔ قوانین ریاضی کے تحت 10^{50} میں سے ایک امکان $1/10^{50}$ عملی طور پر ناممکن تصور کیا جاتا ہے۔

ڈی این اے سالمہ (DNA Molecule) جو خلیے کے مرکز (Nucleus) میں ہوتا ہے، اور جینیاتی معلومات کا ذخیرہ رکھتا ہے، معلومات کا ایک حیرت انگیز خزانہ ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ ڈی این اے میں موجود معلومات کو تحریر کیا جائے تو اس کیلئے ایک بہت بڑی لائبریری کی ضرورت ہوگی کیونکہ یہ معلومات تقریباً 900 جلدوں پر مشتمل انسائیکلو پیڈیا ز پر مبنی ہوں گی اور ان میں سے ہر جلد کم از کم 500 صفحات پر مشتمل ہوگی۔

اس مقام پر ایک بہت دلچسپ امر سامنے آتا ہے: ڈی این اے اپنی نقل صرف کچھ خاص قسم کے پروٹین (اجزاء) کی مدد سے ہی دوبارہ تیار کر سکتا ہے اور ان اجزاء کی ترتیب کو بھی صرف ڈی این اے میں موجود رمزی اصولوں (Coded) کے تحت ملنے والی معلومات سے ہی جانا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں، اس لیے نقل بنانے کیلئے ان دونوں کا ایک ہی وقت میں موجود ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت اس مفروضے کو قطعی غلط ثابت کر دیتی ہے کہ زندگی از خود وجود میں آئی۔ کیلی فورنیا کی سان ڈیاگو یونیورسٹی کے پروفیسر لیزلے اورگل (Leslie Orgel) جو مشہور ارتقاء پرست محقق ہیں، "سائنٹفک امریکن میگزین" کے ستمبر 1994ء کے شمارے میں اعتراف کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

☆...... ''یہ قطعی ناممکن ہے کہ لحمیات (Proteins) اور نیوکلیائی ترشے (Nucleic Acids) جو دونوں ساخت کے اعتبار سے پیچیدہ ہیں ایک ہی وقت میں، ایک ہی مقام پر خود بخود ظہور پذیر ہو جائیں۔ مگر اس کا بھی کوئی امکان نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کے بغیر حاصل کیا جائے۔ چنانچہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچ جانا چاہیے کہ حقیقت میں حیات کبھی بھی کیمیائی طور پر از خود ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔''

اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ اگر زندگی از خود کسی قدرتی وجہ سے وجود میں نہیں آئی تو پھر اس بات کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ زندگی ایک غیر مرئی طریقے سے ''تخلیق'' کی گئی۔ یہ حقیقت انتہائی قطعی طور پر نظریہ ارتقاء کو رَد کر دیتی ہے۔ جس کا اصل مقصد دراصل کائنات کی ''تخلیق'' کو جھٹلانا تھا۔

ارتقاء کا تصوراتی نظام:

ڈارون کے نظریئے کی نفی کرنے والا دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اس کے نظریئے میں ''ارتقائی طریق ہائے کار'' (Evolution Mechanism) کے طور پر پیش کئے گئے دونوں خیالات کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ دراصل وہ قطعاً ارتقائی طاقت نہیں رکھتے۔

ڈارون نے اپنے نظریئے کی بنیاد مکمل طور پر ''فطری انتخاب'' (Natural Selection) پر رکھی تھی۔ اس طریقہ کار کی اہمیت کو ڈارون نے اپنی کتاب ''انواع کی ابتداء فطری انتخاب کے ذریعے (The Origin Of Species, By Means Of Natural Selection) میں بھی بیان کیا ہے۔

فطری انتخاب کا مطلب ہے کہ وہ جاندار اشیاء جو زیادہ طاقتور ہیں اور اپنے خصائل کے اعتبار سے قدرتی ماحول سے زیادہ مطابقت رکھتی ہیں وہ زندگی کی بقا کی جدوجہد میں قائم اور باقی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہرنوں کے گلے میں وہی ہرن زندہ بچ پائے گا

جو خونخوار درندوں کے حملے کی صورت میں زیادہ تیز دوڑ سکے گا۔ اس لیے ہرنوں کے گلے کو بقا کیلئے تیز اور طاقتور ہونا ہوگا۔ مگر یہاں اس سوال کا جواب دستیاب نہیں کہ یہ خیال یا طریقہ کار اگر درست تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس کے تحت ہرن کا ارتقاء اور خود کو ایک دوسری نوع جیسے کہ گھوڑے کی صورت میں ڈھالنے کے قابل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اس لیے صاف ظاہر ہے کہ فطری انتخاب کا طریقہ کار کوئی ارتقائی طاقت نہیں رکھتا۔ ڈارون خود بھی اس حقیقت سے آگاہ تھا اور اسے یہ حقیقت اپنی کتاب "The Origin Of Species" میں یوں تسلیم کرنا پڑی:

☆...... ''فطری انتخاب اس وقت تک کچھ نہیں کرسکتا، جب تک کہ موافق تبدیلیاں واقع نہ ہوں۔''

لامارک (Lamark) کے نظریئے کا اثر:

نظریۂ ارتقاء کے ضمن میں یہ سوال سامنے آیا کہ ڈارون کی بیان کردہ ''موافق تبدیلیاں'' (Favourable Variations) کیسے وقوع پذیر ہوئیں؟ ڈارون نے اس سوال کا جواب اپنے زمانے کی ناپختہ سائنس کی سمجھ بوجھ کے مطابق دینے کی کوشش کی۔ فرانسیسی حیاتیات دان چیولیئر دی لامارک (1744-1829) جو ڈارون کے دور سے پہلے گزرا تھا، کے مطابق جاندار اشیاء اپنی زندگی میں حاصل کردہ اوصاف آئندہ نسل کو منتقل کردیتی ہیں اور یہ اوصاف یا خصوصیات نسل در نسل منتقل ہو کر نئی نوع کے بننے کا سبب بن جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، اس نے دعویٰ کیا کہ زرافہ، ہرنوں کی ایک قسم (Antelopes) سے ارتقاء پذیر ہوئے۔ لامارک کے مطابق یہ ہرن اونچے درختوں سے پتے کھانے کی کوشش کیا کرتے تھے، چنانچہ ان کی گردنیں نسل در نسل لمبی ہوتی چلی گئیں۔

ڈارون نے بھی اسی طرح کی مثالیں دیں۔ مثال کے طور پر، اس نے اپنی کتاب میں لکھا کہ کچھ ریچھوں کا کاغذ کی تلاش میں دریاؤں وغیرہ میں جانا، وقت گزرنے کے ساتھ

ساتھ ان کی ہیئت کے وہیل مچھلیوں میں تبدیل ہونے کا سبب بن گیا۔[8]

لیکن جراجر مینڈل (Gragor Mandel) ...... (1822-84) کے دریافت کردہ قوانین وراثت (Laws of Inheritance) نے اس افسانے کی سختی سے تردید کی کہ جانداروں کی ایک نسل کے اوصاف آنے والی نسلوں میں منتقل ہوئے۔ ان قوانین کی توثیق بیسویں صدی میں فروغ پانے والی جینیاتی سائنس نے بھی کی۔ اس طرح فطری انتخاب ایک ارتقائی نظام کے طور پر سرد خانے میں چلا گیا۔

نیوڈارونزم اور جینیاتی تغیر (*Neo-Darwinism and Mutations*)

نظریۂ ارتقاء کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا حل تلاش کرنے کیلئے ارتقاء پرستوں نے 1930ء کی دھائی کے آخر میں نیا نظریہ "ماڈرن سینتھیٹک تھیوری (Medern Synthetic Theory) کے نام سے پیش کیا۔ اس نظریئے کو نیوڈارونزم (Neo-Darwinism) بھی کہا جاتا ہے۔ نو تخلیق شدہ نظریئے میں جینیاتی تغیر (Mutation) کا اضافہ کیا گیا، جس کے مطابق جاندار اجسام کے جینز (Genes) بیرونی اثرات کی وجہ سے بگاڑ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بیرونی شعاعی اثرات (Radiation) یا جینیاتی نقل میں غلطیاں وغیرہ۔ نظریئے کے مطابق ان جینیاتی تغیرات کی وجہ فطری تبدیلیوں کے علاوہ "موافق تبدیلیوں کے اسباب" بھی ہوتے ہیں۔

آج، دنیا کے سامنے نظریۂ ارتقاء کے طور پر جو نمونہ پیش کیا جاتا ہے وہ یہی نیوڈارونزم ہے۔ اس نظریئے کے مطابق دنیا میں موجود لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں جاندار ایک مخصوص عمل کے نتیجے میں وجود میں آئے جبکہ ان جانداروں کے بے شمار پیچیدہ اعضاء مثلاً کان، آنکھیں، پھیپھڑے اور پر وغیرہ تغیر کے عمل سے گزرنے کے باعث شکل میں آئے اور در اصل ان کا شکل میں آنا جینیاتی خرابیوں کا نتیجہ ہے۔ مگر یہاں ایک واضح اور مستند سائنسی حقیقت اس نظریئے کو مکمل طور پر غلط قرار دیتی ہے اور وہ یہ کہ اس طرح کا

جینیاتی تغیر کبھی بھی جانداروں کیلئے باعث ترقی نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس ہمیشہ ان کو نقصان پہنچاتا ہے۔

اس سائنسی حقیقت کی توضیح بہت سادہ ہے: ڈی این اے (DNA) کی ساخت بہت ہی پیچیدہ ہوتی ہے اور صرف بے ترتیب اثرات ہی اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ امریکی ماہر جینیات بی جی رنگاناتھن (B.G. Ranganathan) اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

☆...... "پہلے تو حقیقی تغیرات، فطری نظام میں بہت کم وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ زیادہ تر جینیاتی تغیرات نقصان دہ ہوتے ہیں کیونکہ یہ کسی جینز کے ڈھانچے میں معمولی تبدیلیوں کے بجائے بڑے پیمانے پر اور بے ترتیب طور پر رونما ہوتے ہیں اور کسی پیچیدہ نظام میں بڑے پیمانے پر ہونے والی تبدیلیاں بہت ہی بری ہوں گی نہ کہ کسی بہتری کا سبب۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی زلزلہ کسی بڑی عمارت کو ہلا کر رکھ دے تو اس سے عمارت کے ڈھانچے میں بے ترتیب تبدیلیاں واقع ہوں گی جو ظاہر ہے کسی بہتری کا سبب نہیں ہوں گی۔"[9]

یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ تا حال جینیاتی تغیر کی کوئی ایسی مثال مشاہدے میں نہیں آئی کہ جس سے جینیاتی کوڈز کا وجود پانا ثابت ہو سکے۔ بلکہ اب تک تمام جینیاتی تغیرات نقصان دہ ہی ثابت ہوئے ہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جینیاتی تغیر (Mutation) جسے ایک "ارتقائی طریقہ کار" (Evolutionary Mechanism) کے طور پر پیش کیا گیا تھا دراصل ایک ایسا جینیاتی امکان ہے جو جانداروں کو نقصان پہنچاتا ہے اور ان کیلئے معذوری یا کسی جسمانی نقص کا باعث بنتا ہے نہ کہ کسی قسم کے فائدے کا۔

(انسانوں میں جینیاتی تغیر کی وجہ سے عام اثر کینسر کی صورت میں واقع ہوا ہے) ظاہر ہے ایک نقصان دہ عمل کبھی بھی ''ارتقائی عمل'' نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ فطری انتخاب ''اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتا'' جیسا کہ ڈارون نے خود اقرار کیا تھا۔ یہ حقیقت ہمیں بتاتی ہے کہ قدرت کے نظام میں کہیں پر بھی ''ارتقائی طریقہ کار'' نہیں پایا جاتا۔ چونکہ کسی ''ارتقائی طریقہ کار'' کا کوئی وجود ہی نہیں تو پھر ''ارتقاء'' کہلانے والے کسی فرضی عمل کا وقوع پذیر ہونا بھی ناممکن ہے۔

رکازی ریکارڈ (Fossil Record) کسی درمیانی حالت کے آثار نہیں ملے:

نظریۂ ارتقاء کے تحت پیش کردہ فرضی خیالات کا کوئی واضح ثبوت رکازی ریکارڈ (Fossil Record) سے نہیں ملتا۔

اس نظریۓ کے مطابق ہر جاندار نوع (Species) ایک پیشرو (Predecessor) سے وجود میں آئی ہے۔ اور یہ کہ پہلے موجود ایک قسم وقت کے ساتھ جانداروں کی کسی دوسری نوع میں تبدیل ہوتی گئی اور یوں ساری انواع اس طریقے سے وجود میں آئیں۔ نظریۓ کے مطابق، ہیئت کی یہ تبدیلی لاکھوں سال تک رفتہ رفتہ رونما ہوتی رہیں۔

اگر واقعتاً ایسا ہوتا تو بہت سی درمیانی شکل کی نوع (Species) موجود ہونی چاہیے تھیں جو ہیئت کی تبدیلی کے اس طویل دور سے گزر رہی ہوتیں۔

مثال کے طور پر، ماضی کے کسی دور میں ایسا جانور موجود ہونا چاہیے تھا جو آدھی مچھلی/آدھا رینگنے والا جانور ہوتا، اور اس میں مچھلی کے اوصاف کے ساتھ ساتھ رینگنے والے جانور کے اوصاف بھی ہوتے۔ یا کچھ ایسے رینگنے والے پرندے ہونے چاہیے تھے، جن میں کچھ پرندوں کی خصوصیات ہوتیں اور کچھ رینگنے والے جانوروں کی۔ چونکہ یہ جاندار تبدیلی کے دور کا شکار رہے ہوں گے اس لیے انہیں معذور، ناقص الاعضاء یا عجیب وغریب

اجسام ہونا چاہیے۔ ارتقاء پرست ان خیالی مخلوقات کو جو ان کے خیال میں ماضی میں رہی ہوں گی، "عبوری حالت" (Transitional Form) کا نام دیتے ہیں۔

اگر ایسے جانور حقیقت میں کبھی موجود ہوتے تو ان کی تعداد اور اقسام لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ہونی چاہیے تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ، ان عجیب وغریب مخلوقات کے رکازی ریکارڈ موجود ہونے چاہیے تھے۔ ڈارون نے اپنی کتاب "The Origin Of Species" میں خود اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

☆...... "اگر میرا نظریہ سچ ہے، تو جانداروں کی لاتعداد نیم مدتی اقسام (Intermediate Varicties) کہ جو ساری انواع کا آپس میں تعلق جوڑتی ہوں، لازماً پائی جانی چاہئیں اور ان کے رکازات بھی ملنے چاہئیں......"[10]

ڈارون کی اُمیدوں پر پانی پھرنا:

اگرچہ ارتقاء پرست اُنیسویں صدی کے وسط سے اپنے خیالات کو ثابت کرنے کیلئے رکازی ریکارڈ کی تلاش کر رہے ہیں مگر اب تک کسی درمیانی شکل کے جاندار کے آثار نہیں مل سکے۔ بلکہ ارتقاء پرستوں کی اُمیدوں کے برعکس اب تک ملنے والے تمام آثار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ زمین پر زندگی بالکل اچانک اور مکمل شکل میں شروع ہوئی۔

ایک مشہور برطانوی ماہر رکازات (Palentologist) ڈیرک وی ایجر (Derek V. Ager) خود ایک ارتقاء پرست ہونے کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

☆...... "اگر ہم قدیم جانداروں کے رکازوں کا مطالعہ کریں، خواہ وہ کسی سلسلے کی سطح پر ہو یا انواع کی سطح پر...... ہمارے سامنے بار بار یہ حقیقت آتی ہے کہ...... ہر جاندار گروپ بتدریج ارتقاء سے نہیں بلکہ

بالکل اچانک ایک دوسرے کے بعد غیر معمولی طور پر وجود میں آیا۔"[11]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ رکازات میں پائی جانے والی معلومات کے مطابق ساری جاندار انواع (Species) مکمل صورت میں، بغیر کسی درمیانی شکل کے وجود میں آئیں۔ یہ حقیقت، ڈارون کے مفروضے کے عین اُلٹ ہے۔ یہ اس بات کا بے حد اہم اور ٹھوس ثبوت بھی ہے کہ زندگی تخلیق کی گئی۔ کسی جاندار شے کا بالکل اچانک بغیر کسی ارتقائی عمل کے مکمل صورت میں ظہور پذیر ہونا، اسی بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسے تخلیق کیا گیا۔ اس حقیقت کو شہرہ آفاق ارتقاء پرست ماہر حیاتیات، ڈگلس فیوٹیوما (Douglas Futuyma) نے بھی ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے:

☆ ...... "تخلیق اور ارتقاء ان کے درمیان، جانداروں کی ابتداء کے بارے میں ممکنہ وضاحتوں کو بیکار بنا ڈالتا ہے۔ اجسام زمین پر یا تو مکمل صورت میں نمودار ہوئے اور یا پھر نہیں۔ اگر نہیں تو تو تب یہ اپنے سے پہلے کی انواع سے کسی قسم کے ترمیمی عمل کی وجہ سے موجودہ شکل تک پہنچے ہوں گے۔ اگر وہ مکمل شکل میں ظاہر ہوئے تھے تو پھر بے شک انہیں لازماً کسی قادر مطلق نے اپنی حکمت سے تخلیق کیا ہوگا۔"[12]

رکازی ریکارڈ ظاہر کرتے ہیں کہ جاندار زمین پر مکمل اور بالکل ٹھیک شکل میں ظہور پذیر ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ڈارون کے قیاس کے برعکس "انواع کی ابتدا" ارتقاء سے نہیں بلکہ تخلیق سے ہوئی۔

انسانی ارتقاء کی کہانی:

نظریۂ ارتقاء کے حامیوں کی طرف سے جو موضوع سب سے زیادہ سامنے لایا جاتا ہے وہ ہے انسان کا زمین پر ظہور پذیر ہونا۔ ڈارون کے ہم خیال دعویٰ کرتے ہیں کہ

موجودہ انسان دراصل چمپینزی (بندر) نما مخلوق سے ارتقاء کر کے موجودہ شکل کو پہنچا۔ اس فرضی ارتقائی عمل کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی چار سے پانچ ملین سال پہلے شروع ہوا ہوگا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ موجودہ انسان اور اس کے آباؤاجداد کے مابین کچھ ''درمیان مدتی مخلوقات'' زمین پر رہی ہوں گی۔

اس مکمل طور پر خیالی نظریہ کے مطابق چار بنیادی ''تغیراتی اقسام'' شمار کی گئی ہیں:

(۱)...... معدوم افریقی بندر (Austrolopithecus)

(۲)...... بشر قدیم (Homo Habilis)

(۳)...... کھڑا ہو سکنے والا انسان (Homo erectus)

(۴)...... موجودہ انسان (Homo Sapiens)

ارتقاء پرست انسان کی فرضی پہلی بندر نما حالت کو ''ناپید افریقی بندر'' (Australopithecus) کا نام دیتے ہیں۔ یہ دراصل ایک قدیم بندر نما مخلوق کے سوا کچھ نہیں، جو ناپید ہو چکی ہے۔ ان افریقی بندروں کے بہت سے جینیاتی نمونوں پر برطانیہ اور امریکہ سے تعلق رکھنے والے دو شہرہ آفاق ماہرین علم الاعضاء، لارڈ سولی ذکر مین (Lord Solly Zuckerman) اور پروفیسر چارلس اور کسنارڈ نے تحقیقات کیں۔ لارڈ سولی (برطانیہ) اور چارلس او کسنارڈ (امریکہ) کی تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ یہ بندر ایک عام بندر نما نوع (Species) سے تعلق رکھتے تھے، جو بعد ازاں ناپید ہو گئی، اور یہ کہ ان بندروں کی انسانوں کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں ہے۔[13]

ارتقاء پرست انسان کے ارتقاء کے اگلے مرحلے کو ''آدمی'' (Homo) کا نام دیتے ہیں جس کا مطلب ''انسان'' ہی ہے۔ ان کے دعویٰ کے مطابق ہومو (Homo) سلسلے کے جاندار ''معدوم افریقی بندر'' (Australopithecus) کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ حالت میں تھے۔ ارتقاء پرست اس ضمن میں ان مخلوقات کے مختلف رکازات کو خاص

ترتیب میں رکھ کر ایک تصوراتی ارتقائی خاکہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن حقیقتاً یہ خاکہ بالکل خیالی ہے کیونکہ یہ کبھی ثابت نہیں ہو سکا کہ ان کی بیان کردہ ان مختلف شکلوں کے درمیان کسی قسم کا ارتقائی تعلق ہے۔ بیسویں صدی کے ایک بہت مشہور ارتقاء پرست "ارنسٹ مائر" (Ernst Mayr) نے اپنی کتاب (One Long Argument) میں اس حقیقت کا یوں اقرار کیا:

☆...... "نہ صرف تاریخی "مضمون" جیسے کہ حیات یا "جدید انسان" (Homo Sapiens) کی ابتداء کے بارے میں وضاحت بہت مشکل ہے بلکہ ان کے بارے میں کوئی حتمی، اطمینان بخش توضیح بھی بہت کٹھن ہے۔"[14]

ارتقاء پرست انسانی ارتقاء کی زنجیر کی کڑیاں ...... ناپید افریقی بندر سے شروع کر کے بشر قدیم تک پھر کھڑے ہو سکنے والے انسان تک اور پھر موجودہ انسان تک جوڑتے ہوئے ...... دعویٰ کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا جد امجد ہے۔ مگر ماہرین زکازات (Palcoanthropologists) کی حالیہ تحقیقات کے نتیجے میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ معدوم افریقی بندر (Austrolopithecus) بشر قدیم (Homo habilis) اور کھڑا ہو سکنے والا انسان (Homo erectus) بہ یک وقت دنیا میں مختلف مقامات پر آباد رہے تھے۔[15]

مزید براں کھڑا ہو سکنے والے انسان کا ایک خاص گروہ جدید دنیا تک میں موجود تھا۔ گویا جدید انسان کی ذیلی نوع (Homo Sapiens Neandarthalensis) اور جدید انسان (Homo Sapiens Sapiens) بھی ایک ہی وقت میں دنیا میں موجود تھے۔[16]

یہ صورت حال اس دعوے کو مسترد کرتی ہے کہ یہ جاندار ایک دوسرے کے

آباواجداد تھے۔

ہارورڈ یونیورسٹی (Harvord University) سے تعلق رکھنے والے ماہر رکازات سٹیفن جے گولڈ (Stepren Jay Gould) ایک ارتقاء پرست ہونے کے باوجود اس گتھی کے بارے میں کہتے ہیں:

☆...... ''جس اہم نکتے نے ہمارے نیچے سے سیڑھی کھینچ لی، وہ یہ ہے کہ اگر انسان کی تین اقسام (ممالیہ رکازی انسان 'A. Africanus تومندد معدوم افریقی بندر 'Robust- Australopithecines اور ابتدائی انسان (Homo habilis ایک ہی دور میں موجود تھیں، تو ظاہر ہے ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی تبدیل شدہ شکل نہیں ہے۔ مزید یہ کہ ان میں سے کسی نے بھی زمین پر اپنی مدت حیات کے دوران قطعاً ارتقائی رجحان نہیں دکھایا۔''[17]

مختصراً انسان کے ارتقاء کا یہ من گھڑت افسانہ، جو حقیقتاً پراپیگنڈہ کا ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہوئے میڈیا اور کورس کی کتابوں میں شامل کردہ کچھ ہاتھوں کی بنی ہوئی ''نیم بندر، نیم انسان'' جیسی مخلوقات کی تصوراتی تصاویر کی مدد سے اچھالا گیا، دراصل ایک بنیاد سے محروم کہانی کے سوا کچھ نہیں۔

لارڈ سولی ذکرمین (Lord Solly Zuckerman)، برطانیہ کے مشہور ترین اور انتہائی معتبر سائنسدان ہیں، انہوں نے اس موضوع پر سالوں تحقیق کی ہے اور خصوصاً معدوم افریقی بندر (Australopithecus) کی باقیات کے حوالے سے 15 سال تک تحقیق کے بعد بالآخر خود ایک ارتقاء پرست ہونے کے باوجود ''ذکرمین'' نے یہ اعتراف کیا کہ درحقیقت ایسا کوئی خاندانی شجرہ موجود نہیں جو انسانوں کو بندر نما مخلوقات سے

ملاتا ہو۔

ذکر مین نے ایک دلچسپ ''سائنسی خاکہ (Spectrum Of Science) بھی بنایا ہے۔ جس میں اس نے اپنے علم کے مطابق سائنسی اور غیر سائنسی تصورات کی نشاندہی کی۔ ذکر مین کی اس تصویر کے مطابق سب سے زیادہ ''سائنسی'' علوم وہ ہیں جو کہ قابل تصدیق اور ٹھوس مواد پر انحصار کرتے ہیں، جیسے کہ، کیمیا اور طبیعات۔ ان کے بعد حیاتیاتی سائنس کے علوم اور پھر معاشرتی علوم آتے ہیں۔ اس تصویر کے آخر میں سب سے زیادہ ''غیر سائنسی'' علوم آتے ہیں، جیسے کہ ٹیلی پیتھی، چھٹی حس وغیرہ۔ اور بالکل آخر میں ''انسانی ارتقاء'' کا اندراج کیا گیا ہے۔ ذکر مین اس کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں:

☆...... ''ہم اس ضمن میں ظاہری سچ سے ہٹ کر فرضی حیاتیاتی سائنس کی جانب چل نکلتے ہیں، جیسا کہ ''ماورائے حس ادراک'' (Extrasensory Perception) یا انسانی رکازات کی تاریخ، جہاں یقین رکھنے والے (ارتقاء پرست) کے لیے کچھ بھی ممکن ہے، اور جہاں ایک پر جوش (نظریہ ارتقاء کو) ماننے والا ایک ہی وقت میں بہت سی ایسی چیزوں پر یقین کرتا ہے جو باہم متصادم ہوتی ہیں۔'' 18

انسانی ارتقاء کی کہانی دراصل کچھ ایسے لوگوں کے زمین سے نکالے ہوئے چند رکازوں پر مبنی متعصبانہ توضیحات کے سواء کچھ نہیں جو اندھوں کی طرح اپنے نظریئے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

ڈارون کا فارمولہ:

اب تک ہم نے جتنی تکنیکی شہادتیں پیش کی ہیں، ان کے علاوہ آیئے ایک ایسی مثال کے ذریعے جسے ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے، یہ دیکھیں کہ نظریہ ارتقاء کے پیروکار کس طرح توہم پرستی سے چمٹے ہوئے ہیں:

نظریہ ارتقاء کے مطابق زندگی اتفاقاً وجود میں آئی۔ اس دعوے کی رُو سے، بے جان اور بے حس ایٹموں نے باہم مل کر خلیہ بنایا اور پھر انہوں نے کسی طرح دوسری جاندار اشیاء کو شکل دیدی جن میں انسان بھی شامل ہے۔ آیئے کچھ دیر کیلئے اس دعوے کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں۔ جب ہم ان عناصر کو باہم ملاتے ہیں جو زندگی کی بنیاد ہیں جیسے کہ کاربن، فاسفورس، نائٹروجن اور پوٹاشیم، تو صرف ایک ڈھیر ہی سامنے آتا ہے۔ ان اشیاء کو کسی بھی طریقے یا عمل سے ملایا جائے...... یہ ایک ایٹمی ڈھیر ہی بنے گا اور یہ ڈھیر کوئی ایک جاندار بھی نہیں بنا سکتا۔ اگر آپ پسند کریں تو آیئے ہم اس موضوع پر ایک "تجربہ" کرکے اور ارتقاء پرستوں کی جگہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ڈھکے چھپے جس خیال کو "ڈارون کا فارمولہ" کہتے ہیں وہ آخر حقیقتاً کیا ہے:

ارتقاء پرستوں کو جانداروں کی ساخت میں استعمال ہونے والے مختلف عناصر جیسے کہ فاسفورس، نائٹروجن، کاربن، آکسیجن، میگنیشیم، آئرن کی کافی مقدار بڑے بڑے ڈبوں میں ڈالنے دیں۔ پھر انہیں ان ڈبوں میں کوئی بھی ایسی چیز ڈالنے دیں جو معمول کے ماحول میں میسر نہیں ہوتی مگر ان کے نزدیک زندگی کے ظہور پذیر ہونے کیلئے ضروری ہے۔ انہیں اس آمیزے میں جتنے مرضی امائنو ایسڈ ڈالنے دیں...... جس کے عام حالات میں خودبخود ظاہر ہونے کے قطعاً امکانات نہیں ہوتے...... اور جتنی چاہیں پروٹین شامل کرنے دیں...... جس کے ایک عنصر کے خودبخود ظاہر ہونے کے امکانات 10-950 ہیں۔ پھر انہیں اس آمیزہ کو ادل بدل کر مرضی کے مطابق جتنی چاہے حرارت یا نمی میں رکھنے دیں۔ انہیں اس آمیزے کو کسی بھی طرح کے تکنیکی و جدید آلات کی مدد سے باہم ملانے دیں۔ انہیں اس بات کی بھی کھلی اجازت دیں کہ وہ دنیا کے جتنے چاہیں قابل ترین سائنسدانوں کو ان ڈبوں کے پاس لا کھڑا کریں اور ان ماہرین کو کروڑوں بلکہ اربوں سال تک انتظار میں کھڑا رکھیں۔ انہیں ایسے کسی بھی طرح کے حالات استعمال کرنے کی اجازت دیں جو وہ

انسان کے وجود میں آنے کیلئے ضروری خیال کرتے ہیں...... وہ کچھ بھی کر لیں، ان ڈبوں میں موجود عناصر سے انسان نہیں بنا سکتے، حالانکہ ان کے مطابق دنیا میں زندگی کی ابتداء انہی عناصر کے از خود باہم ملنے سے ظہور پذیر ہوئی۔ انسانی خلیہ کی ساخت کا اپنی الیکٹرون مائیکروسکوپ کی مدد سے مشاہدہ کرنے والے ایک پروفیسر کا کہنا ہے کہ ارتقاء پرست کچھ بھی کر لیں وہ انسانی ساخت کے بنیادی عناصر کی مدد سے کچھ نہیں بنا سکتے۔ زرافے، شیر، مکھیاں، گھوڑے، ڈولفن، گلاب، باغات، نرگس کا پھول، گانے والی چڑیا، گلناری، کیلے، سیب، کھجوریں، ٹماٹر، خربوزے، تربوز، انجیر، انناس، انگور، آڑو، مور، تیتر، رنگ برنگی تتلیاں، اور کائنات میں پائے جانے والے ایسے ہی کروڑں جاندار کبھی بھی اس طرح سے نہیں بنائے جا سکتے۔ درحقیقت وہ ان میں سے کسی بھی جاندار کا ایک خلیہ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ مختصراً بے جان ایٹم باہم مل کر ایک زندہ خلیہ نہیں بنا سکتے۔ وہ اپنے طور پر فیصلہ لیکر اس خلیہ کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کر سکتے، اور نہ ہی مزید فیصلے لیکر ایسے ذہین پروفیسر تخلیق کر سکتے ہیں، جنہوں نے پہلی الیکٹرون مائیکروسکوپ ایجاد کی اور پھر اس کی مدد سے اپنے ہی خلیہ کی ساخت کا مشاہدہ کیا۔ دراصل، مادہ بذات خود ایک بے حس، بے جان ڈھیر ہے، اس میں زندگی، اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ ترین تخلیق کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

نظریۂ ارتقاء جو اس عظیم حقیقت کے برعکس دعویٰ کرتا ہے، دراصل ایک بے بنیاد اور غلط تصوراتی خیال ہے۔ ارتقاء پرستوں کے دعوؤں کو تھوڑا سا بھی عقلی بنیاد پر پرکھا جائے تو ان کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے جو کہ اوپر بیان کئے گئے سادہ سے تجربے سے ثابت ہے۔

آنکھ اور کان میں موجود ٹیکنالوجی

نظریۂ ارتقاء...... آنکھ اور کان کی لاجواب قوت ادراک کے موضوع کے بارے میں جواب دینے سے بھی قاصر ہے۔

آنکھ کے موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے آیئے دیکھیں کہ "ہم کیسے دیکھتے

ہیں؟'' کسی شے سے نکلنے والی روشنی کی شعاعیں ہمارے پردہء چشم (Retina) پر اُلٹی پڑتی ہیں۔ یہاں روشنی کی یہ شعاعیں خلیوں کے ذریعے برقی اشاروں میں تبدیل ہوکر آگے ہمارے دماغ کی پشت پر واقع ایک چھوٹے سے مقام کی طرف جاتی ہیں جو کہ ''مرکز بصارت'' ہے۔ یہ برقی اشارے اس مرکز میں مختلف عوامل سے گزر کر ایک منظر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس تکنیکی پس منظر کو جان لینے کے بعد آیئے اب اس بارے میں کچھ غور کرتے ہیں۔

دماغ روشنی سے بالکل پاک ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر بالکل اندھیرا ہے اور یہ کہ جہاں دماغ واقع ہوتا ہے، روشنی اس جگہ نہیں پہنچ پاتی۔ چنانچہ ''مرکز بصارت'' بھی ایک مکمل طور پر تاریک جگہ ہوتی ہے جہاں کسی قسم کی روشنی نہیں پہنچتی۔ حتیٰ کہ یہ مقام ان جگہوں سے بھی تاریک ہوتا ہے، جن کا آپ نے کبھی مشاہدہ کیا ہے۔ مگر اسی تاریکی میں ڈوبے مقام کی مدد سے آپ روشن اور رنگین دنیا دیکھ پاتے ہیں۔

آنکھ میں بننے والا عکس اس قدر واضح اور روشن ہوتا ہے کہ آج اکیسویں صدی کی جدید ترین ٹیکنالوجی بھی ایسا عکس نہیں بنا سکتی۔ مثال کے طور پر، اپنے ہاتھ میں موجود اس کتاب پر نظر ڈالیں، اور پھر سر اٹھا کر ارد گرد نظر دوڑائیں۔ کیا آپ نے اس طرح کا واضح اور شفاف منظر کسی بھی اور ذریعے سے کہیں بھی دیکھا ہے؟ یہاں تک کہ بہترین پروڈیوسروں کے بنائے ہوئے دنیا کے جدید ترین ٹیلی ویژن بھی اس طرح کا شفاف اور واضح منظر آپ کو مہیا نہیں کر سکتے۔ آنکھ کے ذریعے حاصل ہونے والا منظر سہ جہتی (Three - Dimensional)، رنگین اور انتہائی روشن منظر ہوتا ہے۔ ہزاروں انجینئرز کئی سو سال سے ایسا روشن عکس اور منظر حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے تحت بے شمار فیکٹریاں بڑے بڑے کارخانے قائم کیے گئے۔ کافی تحقیق کی گئی، منصوبے اور ڈیزائن مرتب کیے گئے۔ مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ آپ خود ایک بار پھر اپنے ہاتھوں میں پکڑی کتاب

اور ٹی وی پر نظر آنے والے منظر پر نظر ڈال کر فرق دیکھ لیں۔ آپ دیکھیں گے کہ دونوں کے واضح پن اور شفاف ہونے میں فرق ہے۔ مزید یہ کہ ٹی وی سکرین آپ کو دو جہتی (Two-Dimensional) منظر دکھاتی ہے جبکہ آنکھوں سے آپ سہ جہتی (Three-Dimensional) منظر کا گہرائی تک نظارہ کرتے ہیں۔

بہت سالوں تک، ہزاروں انجینئروں نے ایک سہ جہتی (Three-Dimensional) منظر دکھانے والا ٹیلی ویژن بنانے اور آنکھ کی استعداد کار تک پہنچنے کی کوشش کی ...... ہاں ...... انہوں نے سہ جہتی منظر دکھانے والا ٹیلی ویژن سسٹم بنالیا ہے، مگر اسے ایک خاص قسم کا ''تھری ڈی'' (3-D) چشمہ پہنے بغیر دیکھنا ناممکن ہے۔ پھر یہ کہ اس کے ذریعے دکھایا جانے والا منظر مصنوعی سہ جہتی ہوتا ہے۔ اس کا پس منظر دھندلا اور پیش منظر کاغذ سے آراستہ کیا گیا محسوس ہوتا ہے۔ آنکھ کی طرح کا واضح اور شفاف منظر دکھانا کبھی بھی ممکن نہیں ہو سکا۔ کیمرے اور ٹیلی ویژن، دونوں میں آنکھ کی نسبت عکس کے معیار کی کمی پائی جاتی ہے۔

ارتقاء پرست دعویٰ کرتے ہیں کہ اس قدر شفاف اور واضح منظر دکھانے والا نظام اتفاق سے وجود میں آ گیا تھا۔ اب اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ آپ کے کمرے میں موجود ٹیلی ویژن اتفاق سے از خود بن گیا، اور یہ کہ اس میں موجود تمام چیزیں اتفاق سے ایک جگہ جمع ہو گئیں اور ان سے ایک ایسا آلہ بن گیا جو آپ کو مناظر دکھاتا ہے ...... تو ظاہر ہے کہ آپ حیران ہو کر سوچیں گے کہ ...... مختلف بے جان چیزیں وہ سب کیسے کر سکتی ہیں جو ہزاروں انسان مل کر نہیں کر سکتے؟

ایک آنکھ کی نسبت کمتر منظر دکھانے والا آلہ جب اتفاق سے نہیں بن سکتا، تو پھر یہ صاف ظاہر ہے کہ ایک آنکھ اور آنکھ سے نظر آنے والا منظر بھی اتفاق سے وجود میں نہیں آیا ہو گا۔

یہی صورتحال کان کے نظام پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ کان کا بیرونی حصہ دستیاب

آوازوں کو پردے (Auricle) کی مدد سے وصول کرتا ہے، اور انہیں کان کے درمیانی حصہ میں بھیج دیتا ہے، کان کا درمیانی حصہ آواز کی لہروں کو تیز کر کے آگے بھیجتا ہے اور پھر کان کا اندرونی حصہ آواز کی ان لہروں کو برقی اشاروں میں بدل کر دماغ کی طرف بھیج دیتا ہے۔ بالکل آنکھ جیسا عمل یہاں بھی ہوتا ہے۔ سماعت کا عمل دماغ میں موجود "مرکز سماعت" میں مکمل ہوتا ہے۔

کان کے معاملے میں صورتحال ویسی ہے جیسی آنکھ کے نظام عمل میں ہوتی ہے۔ یعنی دماغ روشنی کی طرح آواز سے بھی بالکل پاک ہوتا ہے۔ یہ اپنے اندر کسی قسم کی آواز نہیں آنے دیتا۔ چنانچہ باہر جس قدر بھی شور ہو، دماغ کے اندر مکمل خاموشی پائی جاتی ہے۔ تاہم پھر بھی نرم، نازک اور لطیف آوازوں کو بھی دماغ کے ذریعے ہی پہچانا جاتا ہے۔ آپ دماغ کے ذریعے ...... جو آوازوں سے مکمل طور پر پاک ہوتا ہے ...... سرگوشیاں سنتے ہیں اور پرہجوم مقامات پر شوروغل بھی سن پاتے ہیں۔ تاہم اگر کسی ایسے آلے کی مدد سے، جو آوازوں کی پیمائش کر سکتا ہو، دماغ کے اندر "شور کی سطح" (Sound Level) ناپی جائے تو وہاں مکمل خاموشی ہی ملے گی۔

تصویر کی طرح کئی دہائیوں سے ایسی آوازیں پیدا کرنے اور دوبارہ تشکیل دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں جو ہو بہو اصل آواز کی مانند ہوں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں آواز محفوظ کرنے والی مشینیں (Sound Recorders)، ہائی فائی نظام اور صوتی لہروں اور آوازوں کو محسوس کر سکنے والے جدید نظام وضع کیے گئے۔ بلاشبہ اس شعبہ میں بہت کام ہوا ہے، لیکن حقیقت پھر وہی ہے کہ تمام تر جدید ٹیکنالوجی اور ہزاروں انجینئروں اور ماہرین کی شبانہ روز محنت اور کوشش کے باوجود اب تک ایسی آواز نہیں بنائی جا سکی جو کان کے ذریعے سنائی دینے والی آواز کی طرح واضح اور صاف ہو۔ آپ دنیا کی میوزک انڈسٹری کی سب سے بڑی اور کامیاب کمپنیوں کے بنائے ہائی فائی نظام دیکھ لیجیے، حتیٰ کہ ان جدید ترین

آلات میں بھی جب آواز محفوظ (Record) کی جاتی ہے تو اس کے معیار میں کچھ کمی واقع ہو جاتی ہے یا کبھی آپ ایک ہائی فائی نظام کو بجانا شروع کریں تو آپ موسیقی شروع ہونے سے پہلے ایک "سی سی" کی آواز سنیں گے۔ جبکہ انسان کے جسمانی نظام سے پیدا ہونے والی آواز، انتہائی اعلیٰ درجے کی، صاف اور واضح ہوتی ہے۔ ایک انسانی کان کبھی "سی سی" کی آواز یا فضائی شور کو گڈمڈ نہیں کرتا، جیسا کہ انسان کے بنائے ہوئے جدید ہائی فائی نظام کرتے ہیں۔ بلکہ یہ آواز کو ویسے ہی سنتا ہے جیسا کہ وہ آواز ہوتی ہے، صاف اور واضح۔ کان کا یہ نظام انسان کی تخلیق کے وقت سے ہی ایسا چلا آ رہا ہے۔

تا حال انسان کی بنائی کوئی سمعی یا بصری ایجاد اتنی کامیاب اور حساس نہیں کہ وہ آنکھ اور کان کی طرح کام انجام دے سکے۔

چنانچہ دیکھنے اور سننے کے نظام پر غور کیا جائے تو ان کے پس پردہ بہت بڑا سچ تلاش کیا جا سکتا ہے۔

دماغ کے اندر سننے اور دیکھنے کے حواس کا مالک کون ہے؟:

وہ کون ہے جو دماغ کے اندر حیرت انگیز دنیا دکھاتا ہے، سُروں اور پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں سناتا اور گلاب کی خوشبو کو محسوس کرنے کے قابل بناتا ہے؟

کسی انسان کی آنکھ، کان اور ناک کے محسوسات، دماغ کی جانب برقی کیمیائی عصبی لہروں (Electro- chemical nerve impulses) کی صورت میں سفر کرتے ہیں۔ آپ حیاتیات، علم الاعضاء اور حیاتیاتی کیمیاء کی کتابوں میں بہت سی تفصیلات دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح دماغ میں یہ عوامل تشکیل پاتے ہیں۔ مگر ان کتابوں میں اس موضوع کی اہم ترین حقیقت آپ کو نہیں بتائی جاتی اور وہ یہ کہ: کون ہے جو ان برقی کیمیائی عصبی اشاروں کو تصویروں، آوازوں، خوشبوؤں یا بدبوؤں یا حواس سے تعلق رکھنے والے دیگر واقعات کا دماغ کے اندر ادراک کراتا ہے؟ دماغ کے اندر ایک شعور موجود ہے

جو ان سب چیزوں کا کسی آنکھ، کان اور ناک کی ضرورت محسوس کیے بغیر ہی ادراک کرتا ہے۔ آخر یہ شعور کس کا عطا کردہ ہے؟ ظاہر ہے کہ اس شعور کا تعلق عصبوں، چربی کی تہوں اور دماغ میں موجود ان نیورونز سے ہے، جن سے دماغ کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ڈاروزم کے پیروکار مادہ پرست، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہر چیز مادہ سے بنی، ان سوالات کے جواب نہیں دے سکتے۔

یہ شعور دراصل وہ روح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے، جسے دیکھنے کیلئے کسی آنکھ کی ضرورت ہے اور نہ آوازیں سننے کیلئے کان کی۔ مزید براں، اسے سوچنے سمجھنے کیلئے دماغ کی بھی ضرورت نہیں۔

اس واضح اور سائنسی حقیقت کے پڑھنے والے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اللہ بزرگ و برتر کی ہدایات پر غور کرے اور اس سے ڈرتے ہوئے پناہ طلب کرے کیونکہ اسی نے اس ساری کائنات کو چند مربع سنٹی میٹر کے گہرے تاریک مقام پر سہ جہتی، رنگین، سایہ دار اور روشن مشکل میں پیدا فرمایا ہے۔

ایک مادہ پرست عقیدہ:

اب تک ہم نے جو معلومات مہیا کی ہیں اُن سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ نظریہ ارتقاء سائنسی شہادتوں کے سامنے بالکل بے بس ہے۔ زندگی کی ابتداء کے حوالے سے اس نظریہ کے دعوے کی سائنسی بنیاد پر کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے تحت بیان کردہ ارتقائی عمل میں سرے سے قوت ارتقاء ہی نہیں اور رکازی ریکارڈ ظاہر کرتے ہیں کہ ارتقائی عمل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والی درمیانی اقسام کا...... جنہیں ارتقاء کی صورت میں ضرور موجود ہونا چاہیے تھا...... قطعاً وجود نہیں تھا۔ چنانچہ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ نظریہ ارتقاء کو ایک غیر سائنسی خیال سمجھ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جانا چاہیے جیسے کہ "زمین کو کائنات کا مرکز قرار دینے والے نظریئے" اور اسی طرح کے دیگر بے بنیاد نظریات کو سائنسی ایجنڈے

سے نکال باہر کیا گیا ہے۔

تاہم نظریہ ارتقاء کو سائنسی تحقیق کے ایجنڈے پر اب تک باقی رکھا گیا ہے۔ بلکہ کچھ لوگ تو اس پر ہونے والی تنقید کو "سائنس پر حملہ" قرار دیتے ہیں...... کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظریہ کچھ حلقوں کیلئے مفادات پر مبنی ناگزیر عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ حلقے مادہ پرست فلسفہ پر اندھا دھند کاربند ہیں اور ڈاروزم کو اس لیے اپنائے ہوئے ہیں کیونکہ وہ واحد مادہ پرست وضاحت ہے جسے وہ فطری عوامل کے لیے پیش کر سکتے ہیں۔

یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ ایسے لوگ اس حقیقت کا وقتاً فوقتاً خود بھی اعتراف کرتے رہتے ہیں۔ ایک مشہور ماہر جینیات (Geneticist) اور ارتقاء پرست رچرڈ سی لیونٹن (Richard c. Lewontin)، جن کا تعلق ہارورڈ یونیورسٹی سے ہے، اعتراف کرتے ہیں کہ وہ "پہلے اور سب سے بڑھ کر مادہ پرست ہیں اور پھر ایک سائنسدان۔" ان کا کہنا ہے کہ:

☆...... "ایسا نہیں ہوسکتا کہ سائنس کا طریقہ کار یا ضابطے ہمیں کائنات کے بارے میں مادہ پرستی پر مبنی توضیح اور تشریح قبول کرنے پر مجبور کریں، بلکہ اصل میں ہمارے اندر موجود مادی اسباب کے ساتھ وفاداری کی حس ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اس کے مطابق تحقیقات مرتب کریں اور ایسے تصورات پیش کریں جو مادہ پرست توضیحات دے سکیں۔ پھر اس سے فرق نہیں پڑتا کہ یہ توضیحات کتنی ہی غیر وجدانی یا عقل سے ماورا ہوں۔ مزید یہ کہ مادیت حقیقت ہے اور ہم کسی الہامی تصور کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"[19]

اسی طرح کے اور بھی کئی بیانات ہیں جو واضح کرتے ہیں کہ ڈاروزم ایک اندھا عقیدہ ہے جسے صرف اس لیے زندہ رکھا گیا ہے کہ مادہ پرستی قائم رہے۔ اس عقیدہ کی رو

سے مادے کے سوا کسی قوت رکھنے والی ہستی کا وجود نہیں۔ چنانچہ یہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ بے جان اور بے شعور مادے نے حیات تخلیق کی (نعوذ باللہ)۔ یہ اس بات پر بھی بہ ضد ہے کہ لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں موجود جاندار انواع (مثلاً پرندے، مچھلیاں، زرافے، شیر، حشرات، درخت، پھول، وہیل مچھلیاں اور انسان) مختلف عوامل مثلاً کڑکتی بجلیوں اور بارش وغیرہ کے باہمی تعامل اور دوسرے ایسے ہی طریقوں کے ذریعے بے جان مادے سے ہی وجود میں آئے۔ یہ ایک ایسا تصور ہے جو نہ صرف عقل وشعور کے خلاف ہے بلکہ سائنس سے بھی متصادم ہے۔ اس کے باوجود ڈاروِنزم کے پیروکار اس کا دفاع جاری رکھے ہوئے ہیں، صرف اپنے اسی ''اڑیل پن'' کے لیے کہ ''ہم کسی الہامی تصور کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

کوئی بھی ایسا شخص جو جانداروں کی ابتدا کو ارتقائی تعصب سے نہ دیکھتا ہو، غور کرے تو اس حقیقی سچائی کو پالے گا کہ: ساری زندہ مخلوقات ایک خالق کی کاریگری ہے، جو سب سے طاقتور، دانا اور حکمت والا ہے اور کل کا علم رکھتا ہے۔ یہ خالق، اللہ تعالیٰ ہے، جس نے پوری کائنات عدم سے تخلیق کی، اسی نے اس کائنات کی تزئین کاری کی اور ساری جاندار انواع کی ہیئت وصورت تخلیق کر کے کائنات کو ان سے سجایا۔

نظریۂ ارتقاء: دنیا کا قوی ترین جادو:

کوئی بھی ایسا شخص جو پہلے سے فیصلہ کئے بغیر اور کسی خاص عقیدے کا اثر نہ لیتے ہوئے، اپنی عقل اور شعور ۔ کام لیکر سوچے تو وہ واضح طور پر سمجھ جائے گا کہ نظریۂ ارتقاء سائنسی اور تہذیبی علوم سے مطابقت نہ رکھنے والے ایسے توہماتی خیالات پر مبنی ہے، جن پر قطعاً یقین نہیں کیا جا سکتا۔

جیسے کہ ہم نے گذشتہ صفحات پر بھی وضاحت کی کہ نظریۂ ارتقاء پر یقین رکھنے والوں کا خیال ہے کہ کچھ ایٹم اور مالیکیول ایک بڑے گڑھے میں پھینک دیے جائیں تو وہ

سوچنے سمجھنے کی حسیات...... پروفیسرز اور یونیورسٹی کے طلباء...... آئن سٹائن اور گیلیلیو جیسے سائنسدان...... ہمفر بوگرٹ، فرینک سناترا اور لیوسیانو پاولٹ جیسے آرٹسٹ...... نیز ہرن، لیموں کے درخت، گلابی پھول الغرض کائنات کی ہر شے میں خود بخود تبدیل ہو جائیں گے۔ ان کے اس ''بکواس'' خیال سے بھی بڑھ کر حیران کن اور افسوسناک بات یہ ہے کہ جو سائنسدان اور پروفیسرز اس ''بکواس'' پر یقین رکھتے ہیں وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں...... اس لیے اس نظریئے کو ''تاریخ کا قوی ترین جادو'' قرار دینا غلط نہ ہوگا۔ اس سے پہلے دنیا کے کسی بھی خیال یا تصور نے لوگوں کی سوچنے سمجھنے کی قوت کو اتنا متاثر نہیں کیا کہ وہ استدلالی طور پر غور و فکر کرنے سے ہی انکار کر دیں اور پھر سچ ان سے ایسے چھپا رہے جیسے کہ وہ ''اندھے پن'' کا شکار ہوں۔ یہ ''اندھا پن'' تو تاریخ کے اُس ''اندھے پن'' سے بھی زیادہ برا ہے، جس کا شکار ہو کر مصر کے قدیم لوگ سورج کی پوجا کرنے لگے تھے، یا جنوبی افریقہ کے کچھ حصوں میں آباد لوگ جانوروں کی پوجا کرنے لگے تھے۔ اسی طرح کے ''اندھے پن'' نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبیلے کے لوگوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور وہ اپنے ہاتھوں سے بنائے بتوں کو پوجنے لگے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس کا شکار ہونے والے ''سنہرے بچھڑے'' کی پوجا کرنے لگے تھے۔ یہ سب لوگ بھی ''اندھے پن'' کا شکار تھے مگر ارتقاء پرست اس لیے ان سے زیادہ بڑے ''اندھے پن'' کا شکار ہیں کیونکہ وہ زمانہ جہالت میں نہیں بلکہ آج کے سائنسی دور میں رہتے ہیں اور اپنے نظریات کے سائنس کی رُو سے غلط ثابت ہونے پر بھی حقیقت تسلیم نہیں کرتے۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی کم عقلی کے بارے میں قرآن مجید میں نشاندہی کر دی ہے۔ بہت سی آیات مبارکہ میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کچھ لوگوں کی عقل سلب کر لی جائے گی اور پھر وہ سچ دیکھنے کی قوت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس بارے میں کچھ آیات قرآنی درج ذیل ہیں:

☆ ...... ”بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور وہ ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔“ (سورۃ البقرہ۔ آیات: ۶۔۹)

☆ ...... ”ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے ہی نہیں ان سے اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے۔ وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، یہی لوگ تو غافل (و بے خبر) ہیں۔“ (سورۃ الاعراف۔ آیت: ۱۷۹)

☆ ...... ”اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے، پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔“ (سورۃ الحجر۔ آیات: ۱۴۔۱۵)

اس باطل اور بے بنیاد عقیدے کا اتنے زیادہ لوگوں کو اپنے حصار میں لے لینا، انہیں سچائی سے دور رکھنا اور تقریباً 150 برسوں سے قائم رہنا اس قدر حیران کن ہے کہ جس کا اظہار لفظوں سے ممکن نہیں۔ یہ بات قابل فہم ہے کہ ایک شخص یا کچھ لوگ، ناممکن باتوں پر کسی فریب میں آ کر یقین کر لیں اور قطعی بے بنیاد و غیر حقیقی دعوؤں کو مان لیں...... مگر افسوسناک طور پر بے شمار لوگ اس گمراہ کن اور بے بنیاد عقیدے پر یقین رکھتے ہیں۔ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ کسی ”جادو“ کے زیر اثر دنیا بھر میں لوگ ایسی باتوں پر یقین رکھتے ہیں کہ بے جان اور بے شعور ایٹموں نے اچانک فیصلہ کیا کہ وہ باہم مل جائیں اور ایسی کائنات بنائیں جو تنظیم، ضابطہ، اور عقل و شعور کی غلطیوں سے پاک نظام پر مبنی ہو۔ پھر انہوں نے

فیصلہ کیا کہ اس کائنات میں زمین نام کا ایک سیارہ ہو جس میں ایسی تمام خصوصیات ہوں، جس سے اس پر زندگی ممکن ہو سکے اور یہ کہ اس سیارے پر بے شمار پیچیدہ نظام رکھنے والے جاندار آباد ہوں۔

درحقیقت، قرآن مجید حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کا حوالہ دے کر بتاتا ہے کہ کچھ لوگ اپنے بے بنیاد فلسفوں کے ذریعے دوسروں پر جادو کر کے انہیں اپنے جال میں جکڑ لیتے ہیں۔ جب فرعون کو سچے مذہب کے بارے میں بتایا گیا تھا، تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ اس (فرعون) کے جادوگروں سے ملیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان (جادوگروں) سے ملے تو انہوں (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے جادوگروں سے کہا وہ پہلے اپنے "کمالات" دکھائیں۔ آیت قرآنی بتاتی ہے:

☆...... "آپ علیہ السلام نے فرمایا، تم ہی ڈالو۔ پس جب انہوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کر دیا انہیں اور مظاہرہ کیا انہوں نے بڑے جادو کا۔" (سورۃ الاعراف۔ آیت:۱۱۶)

سو ہم نے دیکھا کہ، فرعون کے جادوگر ہر کسی کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے تھے ماسوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی نے ان (جادوگروں) کا جادو توڑ دیا...... یا...... "اُن کا بچھایا فریب نگل لیا"...... جیسے کہ آیت مبارکہ آگے بیان کرتی ہے:

☆...... "اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کو کہ ڈال دے اپنا عصا تو فوراً نگلنے لگا جو فریب اُنہوں نے بنا رکھا تھا۔ تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے۔" (سورۃ الاعراف۔ آیات:۱۱۷۔۱۱۸)

جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جب لوگوں نے جان لیا کہ ان پر جادو کیا گیا تھا اور

جو انہوں نے دیکھا وہ سب فریب تھا، تو فرعون کے جادوگروں نے اپنا اعتبار کھو دیا۔ فی زمانہ بھی، اسی طرح کے جادو کے زیرِ اثر نظریۂ ارتقاء جیسے بے بنیاد دعووں کو سائنسی دھوکے میں آ کر قبول کرتے اور اپنی ساری زندگی ان بے بنیادی دعووں کی حمایت کرتے گزار دیتے ہیں...... وہ بھی اس روز رسواء ہوں گے جب پورا سچ ان کے [illegible] کیا جائے گا اور جادو ٹوٹ جائے گا۔ درحقیقت مشہور زمانہ برطانوی قلمکار اور فلسفی میلکم [illegible] نے بھی یہ اعتراف کیا ہے:

☆...... ''میں ذاتی طور پر اس بات کا قائل ہو چکا ہوں کہ نظریۂ ارتقاء......
خاص طور پر جبکہ یہ اتنے بڑے پیمانے پر پھیل چکا ہے...... مستقبل کی
تاریخی کتابوں میں ایک بہت بڑے مذاق کے طور پر موجود ہوگا۔
آنے والی نسلیں حیران ہوں گی کہ اس قدر تصوراتی اور غیر یقینی
مفروضوں کو اتنے بڑے پیمانے پر کس طرح تسلیم کرایا گیا تھا۔'' [۵۱]

جس مستقبل کا ذکر میلکولم نے کیا ہے وہ زیادہ دور نہیں ہے بلکہ بہت جلد لوگ سمجھ جائیں گے ''اتفاق'' اس کائنات کا خالق نہیں ہے...... اور وہ نظریۂ ارتقاء کو پیچھے مڑ کر تاریخ کے بدترین فریب اور دنیا کے خوفناک ترین جادو کے طور پر دیکھا کریں گے۔ اس جادو کا بوجھ پہلے ہی تیزی سے دنیا بھر میں لوگوں کے کندھوں سے اترنا شروع ہو چکا ہے۔ بہت سے لوگ جو آج اس فریب کا اصل چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ وہ حیرت سے سوچتے ہیں کہ آخر وہ اس کا شکار کیسے ہو گئے تھے؟

قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ O

☆...... ''انہوں نے کہا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا
ہمیں کچھ معلوم نہیں، بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔''
(سورۃ البقرہ۔ آیت: ۳۲)

مترجم کے بارے میں

کامران امجد خان نے گورنمنٹ کالج لاہور سے انٹرمیڈیٹ اور گریجوایشن کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1997ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے ابلاغیات (ماس کمیونی کیشن) کی ڈگری امتیازی نمبروں کے ساتھ حاصل کی اور یونیورسٹی بھر میں چوتھی پوزیشن پر رہے۔ ایم اے کے امتحانات سے فارغ ہوتے ہی انہوں روزنامہ نوائے وقت سے منسلک ہوکر صحافت کو بطور کیریئر اختیار کرلیا۔ نوائے وقت میں انہوں نے نیوز، رپورٹنگ اور میگزین کے تمام شعبوں میں خدمات انجام دیں۔ ان کے مضامین، فیچرز، انٹرویوز، آرٹیکلز اور تراجم ملک کے اخبارات وجرائد کی زینت بنتے رہے ہیں۔

2001ء میں وہ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ سے بطور مدیر منتظم منسلک ہوگئے۔ اس دوران انہوں نے ڈائجسٹ جرنلزم میں ایک نئی روایت یعنی ویب انٹرویوز کی طرح ڈالی اور متعدد عالمی شخصیات کے ویب انٹرویوز کیے جو ملک بھر میں بے حد مقبول ہوئے۔ ان کے یہ انٹرویوز ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ اور نوائے وقت گروپ کے ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ کامران امجد خان کے ترجمہ شدہ مضامین، کہانیاں اور بائیوگرافیز بھی ملک کے بڑے حلقۂ قارئین میں شہرہ رکھتی ہیں' وہ اس سے پہلے ہارون یحیٰی کی کتاب ''روزِ حساب'' سمیت متعدد دوسری کتب کے تراجم بھی کرچکے ہیں جو حلقۂ قارئین میں بے حد مقبول اور پسندیدہ قرار پائی ہیں اور بطور مترجم اُن کی صلاحیتیں مستند و مالا کلام ہیں۔

نوٹ: آیات قرآنی کا اُردو ترجمہ "ضیاء القرآن" از: پیر محمد کرم شاہ الازہری، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے لیا گیا ہے۔
"خوفِ خدا" کو اردو کے قالب میں ڈھالتے ہوئے بعض مواقع پر ممکن ہے کہ اپنی کم علمی اور زبان کی محدودیت کی بنا پر ہم ترجمے کی اصل روح قارئین تک نہ پہنچا سکے ہوں۔ اس حوالے سے ہم معذرت خواہ ہیں۔ (امید ہے کہ آپ بحیثیت قاری ہماری رہنمائی کریں گے۔)

نام کتاب	....	خوفِ خدا
مصنف	....	ہارون یحیٰی
مترجم	....	کامران امجد خان
اشاعت اول	....	مارچ 2005ء
سرورق	....	عبیداللہ
قیمت	....	

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ' اقرا سنٹر اردو بازار لاہور
کوالٹی ڈیپارٹمنٹل سٹور' کالج روڈ' بورے والا
بنگش بک ڈپو اردو بازار' سیالکوٹ
مکتبہ رشیدیہ نیو جنرل' چکوال
ویلکم بک پورٹ' اردو بازار' کراچی
یونیورسٹی بک ایجنسی' خیبر بازار پشاور
بک سنٹر علامہ اقبال چوک' سیالکوٹ
منیر برادرز' مین بازار' جہلم
احمد بک کارپوریشن' اقبال روڈ' راولپنڈی
اسلامی کتب خانہ' فضل الٰہی مارکیٹ' اردو بازار لاہور
چوہدری بک ڈپو' مین بازار' ڈینہ
اسلامک بک سنٹر' اردو بازار' کراچی
ضیاء القرآن پبلشرز' گنج بخش روڈ' لاہور
فرید پبلشرز' نزد مقدس مسجد' اردو بازار' کراچی
کتاب گھر' علامہ اقبال روڈ' راولپنڈی
نیو الیاس کتب محل کچہری بازار' جڑانوالہ
ادریس کتاب محل' مین بازار' منڈی سمیہ یال
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ سرائے عالمگیر 653057

سعد پبلی کیشنز' فرسٹ فلور' میاں مارکیٹ اردو بازار لاہور
کشمیر بک ڈپو' تلہ گنگ روڈ' چکوال
مسلم بک لینڈ' بینک روڈ' مظفر آباد
ضیاء القرآن پبلشرز' اردو بازار' کراچی
نیو وہاڑی کتاب گھر مین بازار' وہاڑی
رحمٰن بک ہاؤس' اردو بازار' کراچی
الکریم نیوز ایجنسی گول چوک' اوکاڑہ
شائل لائبریری' محلہ چوہدری پارک' ٹوبہ ٹیک سنگھ
بلال کاپی ہاؤس' لیاقت روڈ میاں چنوں 662650
مکتبہ العلم' ۱۷- اردو بازار لاہور
میاں ندیم' مین بازار' جہلم
دار الادب' تلمبہ روڈ' میاں چنوں
اشرف بک ایجنسی' کمیٹی چوک' راولپنڈی
شمع بک ایجنسی' فیصل آباد
ہاشمی برادرز کتب و رسائل گوردت سنگھ روڈ' کوئٹہ
رضا لائبریری شاہ کوٹ
الاخوان القادری مسندی کارنر اندرون بوہڑ گیٹ ملتان
نیو نفیس بک ڈپو مین بازار میانوالی

یوم حساب
مصنف:
ہارون یحییٰ
Rs.200/-
مصنف:
خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار - لاہور